ورق در ورق

صریر خامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عصریات

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

اکتوبر کی ۲۵/ویں تاریخ کو جامعہ امام محمد انور شاہ پر ایک قیامت گزر گئی۔ حادثہ- درد انگیز حادثہ، ناگہانی اور روح فرسا۔ جامعہ کے استاذ حدیث وصدر المدرسین حضرت مولانا عبدالرشید صاحب بستویؒ داغِ مفارقت دے گئے۔ یہ سانحہ اتنا جھٹ پٹ اور اتنی عجلت میں ہوا کہ دماغ ماؤف ہوکر رہ گیا، ذہن ہنوز متاثر ہے۔کوئی وحشت ناک تمہید، نہ مایوس کن پیش بندی۔ بدھ کوحسبِ معمول اسباق بھی پڑھائے، گفتگو میں وہی ادا، لب ولہجہ وہی تبسم ریز، ہاں! نسبۃً خاموشی تھی، ویسی ہی خاموشی جوطوفان کی آمد سے پیش تر سمندر میں ہوتی ہے۔ یہ سکوتِ طویل دردناک طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ جمعرات کی صبح سے ان کی طبیعت جوبگڑی تو بگڑتی ہی چلی گئی اور شام ہوتے ہوتے یکا یک ملأ اعلیٰ سے جا ملے۔

مولانا بستویؒ جامعہ میں ۱۷/برسوں سے خدمات انجام دے رہے تھے۔اس وقت سے، جب جامعہ، معہدالانور تھا۔اور ''مجمع الانور'' بھی۔یعنی انور شاہ اکیڈمی۔اس اکیڈمی کے تحت جدّ گرامی امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے علوم پر کام ہوتا۔مولانا اسی سے وابستہ ہوگئے۔انہوں نے علامہ کشمیریؒ کے علوم کی ترسیل واشاعت میں اپنا حصہ بھرپور ڈالا۔خاتم النبیین کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا اور عربیت پر دادِ تحسین وصول کی۔والد گرامی فخرالمحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ کی تالیف ''نوادرات امام کشمیریؒ'' کوعربی کا لباس پہنایا۔ماہنامہ ''محدّث عصر'' میں مضامین ومقالات لکھے۔ یہ اکیڈمی آگے بڑھتی رہی اور بنام ''معہد الانور'' تعلیم وتعلم کا سلسلہ بھی جاری رہا۔مولانا اس کاروانِ علم وآگہی کی بانگ رحیل تھے۔ان کی سرکردگی میں معہدالانور نے تاریخ ساز کامیابیاں سمیٹیں۔ملک وبیرونِ ملک اس کے حسنِ تعلیم وتربیت کا چرچا ہوا۔ برسوں ناظم تعلیمات رہے۔۲۰۰۴ء میں جب یہی ''معہد'' ''جامعہ امام محمد انور شاہ'' بنا تو مرحوم کا جوش وخروش اور عزم وحوصلہ اس کا ستونِ اعظم تھا۔

مولانا کی ولادت ۱۹۶۷ء میں ہوئی اور وفات ۲۰۱۸ء میں۔عمر مبارک کل ۵۱/برس۔طبعی عمر سے بھی کم، مگر کارنامے دیکھئے تو رشک آتا ہے۔تیس سے زائد قلمی یادگاریں چھوڑیں۔ ہر موضوع پر قادر اور

غالب۔ بسیار نویس اور زود قلم۔ اِدھر خامہ اٹھایا اور ادھر مضمون تیار۔ کامل و مکمل، جامع ومستند۔ ذخیرۂ الفاظ پر مالکانہ قبضہ۔ محدثِ عصر میں ہر رنگ کے مضامین لکھے اور آفرین سمیٹی۔ طنزیہ تحریر میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے۔ تقریر پر آتے تو آواز میں بجلی کی کونداور بادل کی گھن گرج نہ سہی، مگر تاثیر میں ان کی رنگ فشانیاں نمایاں۔ تقریر مرتب اور سلیقے سے معمور۔ لکھنا پڑھنا ان کی زندگی تھا۔

والد مرحوم فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ کے معتمد علیہ تھے۔ وہ مجھ سے بارہا کہتے کہ مولانا عبدالرشید عربی ترجمہ کے آدمی ہیں، ان کی ترجمہ نگاری سے استفادہ کیا جائے۔ مولانا بھی شاہ صاحب پر فدا تھے اور ان کی تحریر وتقریر کے مداح وقدرداں۔ ان کی مجالس میں پابندی سے حاضری دیتے، ان کا یہی والہانہ پن اور علوم انوری سے یہی دل چسپی تھی کہ والد مرحوم کی مجلسوں کو قلم بند کیا اور ''خیر المجالس'' کے نام سے ایک مستقل کتاب تیار کردی۔ مرحوم جس زمانے میں ناظم تعلیمات ہوا کرتے، شاہ صاحبؒ ان کے فیصلوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے۔

مولانا بستویؒ کی اچانک رحلت سے جامعہ میں اداسی ہے، فضا سوگوار ہے۔ وہ ایک ایسا خلا چھوڑ گئے، جس کی تلافی ناممکن نہیں تو آسان بھی نہیں۔ وہ جامعہ کے استاذ بھی تھے، صدرالمدرسین بھی، منتظم بھی، ترجمان بھی۔ کوئی مہمان آتا تو تعارف جامعہ کے لئے ان کی ذات مختص تھی۔ نہایت حلیم و بردبار اور وقار و تمکنت کا حسین مرقع۔ اپنے علم وقلم اور تدبیر وتدبر سے انہوں نے جامعہ کو فائدہ پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ موت کے قاہرانہ ہاتھ نے ایک مثالی شخصیت ہم سے چھین لی۔

علامہ کشمیریؒ پر ان کی جو بھی خدمات ہیں، اہم ہیں۔ کئی اہداف اور بھی ان کے سامنے تھے جن تک رسائی کے لئے بڑے چاق وچوبند اور مستعد تھے، مگر علوم انوری کا یہ دیوانہ اب قبرستانِ انوری میں ابدی نیند سو رہا ہے۔ آہ! زندگی اور موت کے درمیان وقفہ کس قدر مختصر رہا!!

حق جل مجدہٗ انہیں غریق رحمت فرمائے اور جامعہ کو ان کا نعم البدل نصیب کرے۔

❁ .... ❁ .... ❁

عالمِ اسلام کا منظر نامہ کتنا خوفناک بن چکا، آئے دن وارداتیں اور دہشت ناک واقعات۔ سعودی عرب سے بھی اچھی خبریں مشکل ہی سے آرہی ہیں۔ حرم کے کئی ائمہ زیرِ عتاب ہیں۔ بیڑیاں پہنے ہوئے اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے۔ بڑے بڑے اہلِ علم بھی برقِ تپاں کی زد میں ہیں۔ ڈاکٹر سلمانِ عودہ، ڈاکٹر عائض القرنی، علامہ سفر الحوالی بھی گردشِ ایام کے اسیر۔ ادھر عالمِ عرب کے ممتاز صحافی جمال خاشقجی کے مسئلے نے انسانیت کو شرم سار کردیا۔ ۲؍اکتوبر کو اپنی مخطوبہ (منگیتر) سے شادی کے لئے اجازت نامے کے حصول کی

غرض سے استنبول کے سعودی سفارت خانے میں داخل ہوئے تو واپس نہیں لوٹے۔ مخطوبہ کے مطالبے پر عملہ کا پہلا جواب تو یہی تھا کہ جمال خاشقجی بہت پہلے جا چکے، جب کہ مخطوبہ باہر مسلسل ان کے انتظار میں رہی اور اسے ہوا بھی نہ لگی۔ سی سی ٹی وی کیمرہ بھی ان کے دخول پر رہنمائی کر رہا ہے، مگر خروج پر ساکت وصامت۔ شروع میں تو سعودی عرب جمال کی گمشدگی کے دعوے کرتا رہا، عالمی دباؤ پڑا تو ان کی موت کی تصدیق کرنی پڑی مگران کے جسدِ خاکی کے بارے میں پیہم لاعلمی کا اظہار۔ مشہور تو یہی ہے کہ انہیں ۲/اکتوبر کو ہی سفارت خانے میں بے رحمی سے قتل کر دیا گیا۔ ان کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے، گردن سب سے آخر میں تہِ تیغ کی گئی۔ ستم بالائے ستم یہ، کہ جیتے جی ان کے چہرے کی پوری کھال اس طرح اتاری گئی جیسے کسی مذبوح جانور کی اتاری جاتی ہے۔ ان کا جسدِ خاکی کہاں گیا؟ آج تک سراغ نہیں لگا۔ ترکی کی خفیہ ایجنسیاں تحقیقات میں مسلسل لگی ہیں، ہدف تک عنقریب رسائی کے دعوے بھی ہیں، مگر اتہ پتہ کچھ بھی نہیں۔ ان کے جسم کی بوٹیاں نالی میں بہادی گئیں یا جنگل میں پھینک دی گئیں یا انہیں کسی گمنام جگہ دفن کر دیا گیا۔ یہ ہنوز ایک معمہ ہے۔

ڈاکٹر خاشقجی سعودی عرب کے تھے، محمد بن سلمان کی ولی عہدی کے بعد تحفظات کا شکار ہو کر امریکہ میں پناہ لے لی۔ محمد بن سلمان کی پالیسیوں پر تنقید کرتے اور اسے صراطِ مستقیم دکھاتے تھے۔ ان کا یہ رویہ دونوں کے درمیان شدید تلخیوں کا باعث بنا۔ عالم صحافت میں ان کی بڑی خدمات ہیں۔ اس حادثہ نے ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ امریکہ اس قضیے میں غیر معمولی دل چسپی لے رہا ہے۔ ترکی حکومت بھی حقائق تک رسائی کی دعویدار ہے۔ سعودی عرب مشکل ترین سوالات کے حصار میں ہے۔ اس مسئلے میں وہ ایسا الجھا ہے کہ سلجھنے کی راہ سجھائی نہیں دیتی۔ شاہ سلمان اور ولی عہد محمد بن سلمان نے خاشقجی کے پسماندگان سے اظہار تعزیت تو ضرور کیا، مگر مبصرین کے نزدیک قتل کی ساری واردات اعلیٰ افسران کے اشارۂ چشم وابرو پر ہوئی۔

اللہ جانے حقائق کیا ہیں؟ اس پردۂ زنگاری میں کون معشوق بیٹھا ہے؟ اگر یہ الزامات درست ثابت ہوتے ہیں تو یہ ملتِ اسلامیہ کی پیشانی پر بدترین داغ ہوگا۔ ناقدوں کی قدردانی ہونی چاہئے۔ اپنی غلط پالیسیوں کو نقاب اوڑھانے کے لئے صحافت کی گردن دبائی جائے تو اس کے نتائج کبھی اچھے نہیں ہوتے۔ اہل صحافت ہمارے محسن ہیں، وہ آئینہ دکھاتے ہیں۔ ان کی صحت مند تنقیدوں اور تبصروں کو مثبت لیا جائے تو ملک خوش گوار تاریخ رقم کر سکتا ہے۔ ظلم وعدوان سے مسائل ختم نہیں ہوتے، بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔ اللہ کا عذاب بھی نازل ہو کر رہتا ہے۔

❁ .... ❁ .... ❁

سیاست کا اصل مفہوم ملک اور قوم کی خدمت ہے۔ یہ ان کی خدمت کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے، مگر سیاست کا یہ مفہوم وہیں سمجھا جاتا ہے جہاں اربابِ اقتدار کا فکر اعلیٰ، شبیہ انسانیت نواز اور فراست شریفانہ ہو،

یہاں حالت یہ ہے کہ منتخب ہی وہی ہوتا ہے جس کی ذہنیت مسمومات اور زہریلی آلودگیوں کا کوڑے دان ہو۔ بدقسمتی سے ہمارا وطنِ عزیز بھی انہیں خرابیوں کا مجموعہ ہے۔ ملک تاریخ کے بدترین دور سے گزر رہا ہے۔ ہجومی تشدد نے کئی خاندانوں کے چراغ گل کر دیئے۔ آہ وفغاں کا ایک دور جاری ہے۔ خواتین کی عصمتیں محفوظ نہیں۔ پیٹرول ڈیزل کی فلک بوس قیمتوں سے ملک کی معیشت تباہ ہوچکی ہے۔ لوگ روزگار کی تلاش میں دھکے پر دھکے کھا رہے ہیں۔ قومی رجسٹر میں لاکھوں آسامی شہریوں کا مسئلہ بھی بہت امید افزا نہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بے شمار مسائل ہیں جن پر توجہ حکومت کی ترجیح ہونی چاہئے تھی، مگر کیا کیجئے، جب ارادے میں رفعت اور افکار میں وسعت نہ ہو تو کون انہیں اہمیت دے؟ اربابِ سیاست غیروں کو مدعا اور مدعا کو نظر انداز نہ کریں تو پھر سیاست ہی کیا ہوئی۔ نتیجہ سامنے ہے۔ طلاقِ ثلاثہ، تعددِ ازواج اور حلالہ جیسے غیر ضروری موضوعات پر سر کھپانے والی سیاست اب رام مندر میں الجھ گئی ہے۔ آر ایس ایس کے سربراہ موہن بھاگوت آئے دن رام مندر کی تعمیر کے مطالبہ کر رہے ہیں۔ یو پی کے وزیر اعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ اشتعال انگیز تبصرے کر رہے ہیں۔ ۲۹/ اکتوبر کو اس مسئلے کے حل کے لئے سماعت شروع ہوئی۔ امید یہی تھی کہ روزانہ کی سماعت کے بعد کوئی نتیجہ سامنے آجائے گا مگر ہوا وہی جو ہوتا آیا ہے۔ تاریخ ایک بار پھر ٹل گئی۔ اور محض تین منٹوں کی سماعت میں چیف جسٹس کی سربراہی والی سہ رکنی کمیٹی نے اس کی اگلی سماعت کے لئے جنوری کا مہینہ طے کر دیا اور معاملہ نئی کمیٹی کے حوالے۔ تاریخ کی تعیین، نہ جدید کمیٹی کی تشکیل۔ وہ لوگ جنہیں شر پھیلانے میں دلچسپی تھی، ان کے لئے یہ خبر نہایت الم ناک ہے۔ بی جے پی پر سناٹا طاری ہے۔ مرکزی وزیر گری راج کے بقول: ہندوؤں کا صبر ٹوٹ رہا ہے، اگر صبر کا یہ پیمانہ لبریز ہوگیا تو خطرناک ہوجائے گا۔ کچھ لوگ طلاقِ ثلاثہ کی طرح رام مندر کی تعمیر کے لئے بھی آرڈی نینس کی فرمائش کر رہے ہیں۔ مہنت پرہنس داس کہتے ہیں ''میں حکومت سے رام مندر پر فوری قانون بنانے کا مطالبہ کرتا ہوں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گی تو پھر سے بھوک ہڑتال پر بیٹھ جاؤں گا۔ خودسوزی بھی کرلوں گا۔ عدالت کو بھی دھمکیاں۔ حکومت کو بھی پھبتیاں۔

یہ کوئی طرزِ سیاست ہوئی؟ جب کوئی بڑا الیکشن آئے تو ہندو مسلم کارڈ کھیل دیا جائے۔ دونوں فرقوں میں دوریاں کر کے اپنی سیاست چمکائی جائے اور حصولِ مقصد کے بعد معاملہ پھر ٹھنڈے بستے میں۔ جب مسئلہ عدالت میں ہے تو اس پر بحث اور تبصرے کیوں؟ کیا ایجنڈے کے لئے مسائل کی کمی ہے؟ خدارا ملک پر رحم کھائیے۔ وطن کو خانہ جنگی سے بچائیے، ساکنانِ ہند باہمی محبت کے ساتھ اپنے لمحات گزارنا چاہتے ہیں، ان کی مسرتوں کو ماتم میں تبدیل نہ کریں۔ کرنے کے کام کیجئے، شہری آپ کے شانہ بشانہ کھڑے رہیں گے۔

❀ .... ❀ .... ❀

قند مکرر (قسط:۱۱)

ذٰلِكَ الْكِتاب

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہٗ

اور رہا ان کی رفعتوں کا معاملہ، تو کون ہے جو اس کا انکار کر سکے۔ مومن تو مانتا ہی ہے، کافر کے لئے بھی مجال انکار نہیں، بلکہ وہ جسے رفعت عنایت کر دیں اسے کوئی پست کرنے والا نہیں۔ **قال مخاطباً لرسوله صلى الله عليه وسلم و رفعنا لك ذكرك.** اسی کا اثر ہے کہ کل کائنات پر رسول اکرم ﷺ کی رفعتوں کا ڈنکا بجتا ہے۔ اذان میں بھی ذکر رسول اللہ اور نماز ایسی عبادت بھی آپؐ کے ذکر سے خالی نہیں، سوچا جائے کہ دوسروں کو رفیع بنانے والا خود کیسا رفیع الشان ہوگا۔ مناطقہ کا عجیب معاملہ ہے، ایک جانب ان کی گستاخیاں کہ ذات باری میں بھی الجھتے ہیں دوسری جانب غلبۂ تأدب سے مغلوب ہو کر نزاکتِ خیال کی انتہا کر دیتے ہیں۔ قاضی صاحبؒ کے ان الفاظ: **لانه تعالىٰ محجوب** پر ہی ان کو اشکال ہو گیا، کہتے ہیں کہ اس کا ترجمہ ہوا۔ ''خدا نے چھپایا ہوا ہے'' اس ترجمہ سے بو آتی ہے کہ اس کی ہستی متاثر ہے، حالاں کہ وہ مؤثر ہے، ترمیم مناطقہ نے یہ پیش کی کہ بجائے محجوب کے محتجب کے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔ آپ اس نزاکت خیال کو قبول کر لیجئے کہ اس سے جناب خدا میں غلبۂ ادب کا پہلو نکلتا ہے اور قاضی صاحبؒ کی جانب سے یہ جواب دیدیجئے کہ احتیاط کی چھلنی میں مکمل چھاننے کے باوجود پھر بھی چھنے ہوئے کی صفائی کی کوئی ضمانت نہیں لیتا۔ اس ساتویں قول کی دلیل میں مفسر بیضاوی نے یہ شعر بطور دلیل استعمال کیا ہے کہ ؎

كحلفة من ابى رياح ☆ بسمعها لاهه الكبار

حلف کے معنی تو قسم کے ہیں۔ اور **ابو رياح** بفتح الراء ایک شخص کا نام ہے۔ کُبار، بضم الکاف مبالغہ کا صیغہ ہے۔ معنی بہت بڑا، **حلفةٍ** میں تاء وحدت پر دلالت کرتی ہے۔

ترجمہ یہ ہے کہ ابو ریاح کی اس ایک مرتبہ کی قسم کی طرح جس کو اس کا سب سے بڑا معبود سن رہا تھا، شعر میں لفظ لاہٌ استعمال ہوا ہے، جس سے اِلہٌ کا اجوف ہونا ثابت ہوتا ہے، ایک اور شعر بھی بطور دلیل پیش

کیا جا سکتا ہے۔شعر یہ ہے کہ:

لاہ ربی عن الناس طُرًّا ☆ فهو اللّٰه لاریٰ ولا یریٰ هو

یعنی خدا سب کی نظروں سے پوشیدہ ہے، خود تو دکھائی دیتا نہیں، مگر سب کو دیکھ رہا ہے۔ شاعر نے اس میں خدا کے لئے **لاہ** کا لفظ استعمال کیا ہے جو ساتویں قول کی ایک دلیل ہے۔ اللہ سے متعلق ان تمام تفاصیل پر مطلع ہونے کے بعد تاج العروس لغت کی کتاب میں اس تصریح کو بھی ملحوظ رکھئے:

علم للذات واجب الوجود المستجمع بجميع صفات الكمال غير مشتق.

اور ابن کثیر مشہور مفسر کے اس ریمارک پر بھی توجہ رہے:

لم يسمّٰى به عفره تبارك و تعالىٰ ولهذا لا يعرف فى كلام العرب لهٗ اشتقاق. من فعل يفعل. جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللّٰہ خدا کا اسم ذاتی ہے، کسی دوسرے پر اس کا اطلاق ممکن نہیں، فارسی میں خدا یا، انگریزی میں God کی طرح اسم نکرہ نہیں کہ اس حقیقی معبود کے علاوہ دوسروں کے لئے بولا جا سکے، بلکہ نہ اس کی جمع آتی ہے، نہ یہ کسی سے مشتق ہے، اور نہ کسی دوسری زبان میں اس کا ترجمہ ممکن۔

ابن کثیرؒ محدث بھی ہیں اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے براہِ راست شاگرد ہیں، ان کی تفسیر ابن کثیر ابن جریر کی تلخیص ہے اور بہترین کتب خانۂ تفسیر۔ اس لئے ان کی تحقیق مفسّرانہ بصیرت کا نمونہ ہے۔

و قيل علم لذاته المخصوصة لانه يوصف ولا يوصف به ولا به له من اسم تجرى عليه صفاته ولا يصلح له مما يطلق عليه سواه ولانه لو كان وصفا لم يكن قوله لا اله الا اللّٰه توحيداً مثل لا اله الا الرحمان فانه لا ممنع الشركة. والاظهر انه وصف فى اصله لكنه لما غلب عليه بحيث لا يستعمل فى غيره و صار كالعلم مثل الثريا والصعق اجرى مجراه فى اجراء الوصف عليه و امتناع الوصف به و عدم تطرق احتمال الشركة اليه لان ذاته من حيث هو بلا اعتبار امر آخر حقيقى او غيره غير معقول للبشر فلا يمكن ان يدل عليه بلفظ ولانه لو دل على مجرد ذاته المخصوص لما افاد ظاهر قوله تعالىٰ وهو اللّٰه فى السمٰوٰت معناً صحيحاً ولان معنى الاشتقاق هو كون احد اللفظين مشاركاً للآخر فى المعنى والتركيب وهو حاصل بينه و بين الاصول المذكورة.

ترجمہ : کچھ حضرات کا خیال ہے کہ لفظ اللہ خدائے تعالیٰ کی مخصوص ذات کا علم ہے، چوں کہ یہ موصوف بنتا ہے، صفت نہیں بنتا ہے (کہ یہی شان علمیت ہے) اور یہ اس لئے بھی کہ واجب الوجود (خدائے تعالیٰ) کوئی ایسا اسم ضروری ہے جس پر صفات واجب جاری کی جا سکیں اور یہ صلاحیت تمام اسماء

حسنٰی میں صرف اسم اللّٰہ ہی میں ہے۔ مزید یہ کہ اگر لفظ اللّٰہ کو وصف مان لیا جائے تو وصف میں تعلیم ہوتی ہے، اس صورت میں کلمۂ توحید یعنی لا الٰہ الا اللہ سے عقیدۂ توحید کو ثابت کرنا ممکن نہ ہوگا۔ لا الٰــــہ الا الــرحمٰــن میں رحمان چوں کہ وصف ہے اور وصف میں شرکت غیر کی رد کی نہیں جا سکتی۔ اسی لئے اثباتِ توحید کے لئے کارآمد نہیں، لیکن اس قیل وقال سے ہٹ کر زیادہ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتاً تو لفظ اللہ وصف ہی ہے، مگر اس کا غالب استعمال خدا تعالیٰ کے لئے ہے۔ غیر خدا کے لئے استعمال نہیں۔ اور اس طرح اس میں علمیت کی شان پیدا ہوگئی تو اس کو علم کا ہم پلّہ سمجھ لیا گیا۔ جیسا کہ ثــریــا اور صــعــق کہ اصلاً اوصاف کا مفہوم ادا کرتے تھے، مگر اب اعلام ہیں۔ اب لفظ اللہ علم کے مشابہ تین چیزوں میں ہے:

(۱) یہ خود موصوف بنتا ہے اور باقی اس کی صفات (۲) خود کبھی صفت نہیں بنتا (۳) اس میں شرعیہ کا امکان نہیں۔

یہ اس لئے کہ ذاتِ خدا انسان کی عقل میں آ نہیں سکتی، جب تک کہ ذات کے سوا کسی وصف کا اضافہ نہ کیا جائے، یا وصف میں تعمیم ہے، حقیقی ہو یا غیر حقیقی۔ نتیجۃً صرف ذات کسی لفظ کا مدلول نہیں بنتی مزید یہ کہ اگر لفظ اللہ کی دلالت کسی ذات خصوصی پر ہو تو خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد وھو اللّٰہ فی السمٰوٰت کسی ایسے مفہوم کی وضاحت کے لئے ناکافی ہوگا جو عقیدۂ صحیح کے مطابق ہو، نیز اشتقاق کا مطلب یہ ہے کہ دو لفظ معنی و ترکیب میں شریک ہوں اور یہ لفظ اللہ میں بخوبی موجود ہے (پھر اشتراک کا انکار کیسے کیا جائے؟)

تشریح : سابق میں قاضی صاحبؒ نے لفظ اللہ کے بارے میں مشتقات کی ایک طویل بحث کی وجوہ تسمیہ مفصل بیان کئے، گویا کہ ان کی توجہ تمام تر اس جانب رہی کہ لفظ اللہ مشتق ہے، البتہ مشتق منہ میں اختلاف ہے، آپ نے ہماری پچھلی تشریح میں تاج العروس اور ابن کثیر کے دو حوالے پڑھے، جن میں لفظ اللہ کو علمِ ذاتی قرار دیا گیا تھا۔ قاضی صاحب اب اس دوسرے نقطۂ نظر کی وضاحت کر رہے ہیں، ان کے دلائل پیش کریں گے اور پھر اپنی ایک ذاتی رائے مدلل پیش فرمائیں گے۔ تو دوسری جماعت کا خیال یہ ہے کہ لفظ اللہ کسی سے ماخوذ مشتق نہیں، بلکہ ایک مخصوص ذات کا علم ہے۔ نحاۃ، جنہوں نے قرآن کی بے حد خدمت کی ہے بلکہ بعض محققین کی رائے کے مطابق قرآنی تفسیر کی بنیاد رکھنے والے نحاۃ ہی ہیں۔ امام نحو سیبویہ اور زجاج نحوی ان دونوں کا خیال یہی ہے کہ لفظ اللہ علم ذاتی ہے۔

علمیت کے دلائل

۱- یہ خود موصوف بنتا ہے اور باقی تمام اسماءِ حسنٰی اس کی صفات۔ مثلاً: اللّٰہ سمیع، اللّٰہ بصیر، اللّٰہ

خبیر وغیرہ اسماءِ حسنیٰ ہی ہیں، مگروہ بے تکلف صفات بن گئے، جب کہ لفظ اللہ موصوف رہا۔ اور چوں کہ لفظ اللہ ذاتِ خدا کے لئے مخصوص ہے، کسی غیر خدا کے لئے اس کا استعمال روا نہیں، تو یہ علم ذاتی بن گیا، کیوں کہ علم ہونے کا مطلب یہی ہے۔

۲- خدا تعالیٰ کے لئے کوئی ایسا اسم ہونا چاہئے جسے موصوف بنا کر باقی اوصاف اس کے لئے ثابت کئے جائیں اور اسماءِ حسنیٰ میں بجز لفظ اللہ کے اور کسی اسم میں یہ صلاحیت موجود نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ لفظ اللہ میں وصفیت نہیں اور نفی وصفیت ثبوتِ اسمیت کو مستلزم ہے، تو لفظ اللہ اسم ہوا۔ اور چوں کہ اس کا استعمال غیر خدا کے لئے ہوتا نہیں، اس لئے اسمیت میں علمیت کی شان پیدا ہوگئی، تو معلوم ہوا کہ یہ علم لذات المخصوص ہے۔

۳- خدا تعالیٰ کو واحد ماننا جو ہر انسان کا فریضہ ہے اور جس کی تعبیر عقائد میں عقیدۂ توحید سے کی جاتی ہے، اس عقیدۂ توحید کو ثابت کرنے کے لئے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ ولا الٰہ الا الرحمان سے کام لیا جاسکتا ہے۔ مؤخر الذکر سے یہ کام ممکن نہیں۔ چوں کہ رحمان میں وصفیت ہے اور یہ رحم غیر خدا میں بھی پایا جاسکتا ہے۔ **قد قال اللّٰہ تعالٰی فی حق النبی الامی لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم.** اس ارشاد میں خود آں حضور ﷺ کے لئے رحیم کا لفظ استعمال فرمایا تو جب اس میں غیر بھی شرکت رکھتا ہے اور توحید شرکت غیر کی نفی کرتی ہے، تو لا الٰہ الا الرحمٰن سے توحید ثابت کرنے کا کام نہیں لیا جاسکتا۔ یہ کام صرف لا الٰہ الا اللہ سے ممکن ہے، چوں کہ لفظ اللہ علم ذاتی ہونے کی بناء پر غیر کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ علم ایسی متعین ذات پر دلالت کرتا ہے جس میں غیر کی شرکت کا سوال نہیں۔ اور عقیدۂ توحید اہم مقاصد میں ہے۔ اور جیسا کہ معلوم ہوا کہ یہ کام صرف لا الٰہ الا اللہ کرسکتا ہے اور اس صورت میں جب کہ اللہ کو علم مانا جائے تو لفظ اللہ کی علمیت زیادہ بہتر ہے۔

والاظهر انه: اس دوسرے نقطۂ نظر کے مقابلہ میں ایک تیسری تحقیق بھی پیش ہے اور اس کی ہمنوائی میں خود قاضی بیضاوی سرگرم ہیں، اسی لئے قاضیؒ نے تیسرے قول کی تفسیر بیان کرنے سے پہلے لفظ **اظهر** سے آغازِ گفتگو کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ: اصلاً تو لفظ اللہ وصف ہے مگر چوں کہ اس کا استعمال غیر خدا کے لئے ہوتا ہی نہیں، اس لئے اس میں علمیت آگئی جیسا کہ الثریا، الصعق کہ ثریا ثرویٰ کی تصغیر ہے اور **ثرویٰ. ثروان** کا مؤنث۔ ہر مالدار عورت کے لئے یہ استعمال ہوتا ہے، لیکن بعد میں یہ ایک ستارے کا نام ہوگیا۔ اور اب اس کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے استعمال نہیں۔ **صعق** کا ترجمہ بھیانک آواز و **منه الصاعقة،** لیکن بعد میں یہ خویلد بن نفیل کا نام ہوگیا۔ مشہور ہے کہ خویلد نے کھانا تیار کیا۔ ہانڈی ابھی

چولہے پر تھی صبا رفتار آندھی نے اس کی ہانڈی کو الٹ دیا، بگڑ کر خویلد نے آندھی پر لعنت بھیجی، غضب خداوندی حرکت میں آیا اور برقِ جاں سوز تڑپ کر اس پر گری اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے خاکستر کر دیا، اس حادثہ کے بعد الصعق اس کا نام ہو گیا (حدیث میں ہواؤں کو برا بھلا کہنے، بارشوں کو ناپسندیدہ قرار دینے بلکہ زمانے کی چال وڈھال پر نکتہ چینی واعتراض کی ممانعت اسی رمز کی بنا پر ہے کہ یہ سب خدا تعالیٰ کی جانب سے مامور ہیں، آندھیوں سے آنے والے طوفان اور بارشوں سے امنڈنے والے سیلاب وغیرہ پر تنگ دلی اور پھر دشنام طرازی عَیَاذاً باللّٰہ جنابِ خدا میں گستاخی ہے) تو لفظ اللہ اصلاً وصف تھا لیکن اب علم بن گیا، تو علم کے احکام اس پر جاری ہوں گے، یہ صفت نہیں بن سکتا، ہمیشہ موصوف رہے گا، اس میں شرکت کا احتمال نہ ہوگا۔

قاضی صاحبؒ نے اسی رائے کو پسندیدہ قرار دیا ہے، اپنی پسندیدگی کی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی ذات تاوقتیکہ اس کے ساتھ کوئی اضافہ نہ کیا جائے انسانی عقل میں آ نہیں سکتی، اضافہ کی صفت حقیقی کی شکل میں یا اضافی کی صورت میں لفظ کا مدلول وہی بن سکتا ہے جو عقل میں آئے۔ اور جو عقل میں نہ آئے وہ لفظ کا مدلول کیسے بنے گا؟ تو معلوم ہوا کہ جو لفظ اللہ کو ذاتِ باری کے مقابلہ میں وضع مانتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے اس لئے لفظ اللہ کو علم ماننا کیسے ممکن ہوگا اور نفی علمیت کے ساتھ ہی اسمیت یا وصفیت ثابت ہو جائے گی۔

اس پسندیدہ قول کی دوسری دلیل کہ اگر لفظ اللہ کو علم مان لیا جائے تو ھو اللّٰہ فھو السمٰوٰت کے معنی صحیح نہیں رہیں گے کیوں کہ معنی یہ ہوں گے کہ ایک ذات مشخص آسمان پر ہے۔ آسمان ظرف ہو جائے گا، خدا تعالیٰ مظروف، بلکہ مظروف ہونے کے بعد اس کے لئے جسم ثابت کرنا ہوگا۔ اور یہ سب امور اسلامی عقائد کے بالکل مخالف ہیں۔ یہ خرابی محض لفظ اللہ کو علم ذاتی ماننے کی وجہ سے پیدا ہوئی اور اگر وصف ہی مانا جائے تو پھر اس آیت میں لفظ اللہ کا ترجمہ معبود ہوگا اور بات صاف و درست ہوگی کہ خدا تعالیٰ آسمان پر بھی معبود ہے جیسا کہ ہر جگہ وہ معبود ہے۔

تیسری دلیل

کہ لفظ اللہ کو وصف کیوں نہ مانا جائے جب کہ وصفیت کی شان اس پر صادق آتی ہے؟ اس لئے کہ اشتقاق کا مطلب یہ ہے کہ دو لفظ معنی اور ترکیب میں ایک دوسرے کے شریک ہوں۔ اس قانون کے تحت لفظ اللہ مشتق ثابت ہوا اور مشتق ہونے کے ساتھ ہی علمیت کی نفی ہو گئی، علمیت کے بعد یا اسم کہا جائے یا وصف۔ اور دلائل جو بھی آپ کے سامنے پیش کئے گئے وصفیت کو ثابت کرتے ہیں، تو وصف ہی ہوا، مگر

چوں کہ ذاتِ باری کے ساتھ خاص ہے، بلکہ اسی کے لئے استعمال ہونے لگا، تو اسمیت آئی، لیکن وصفیت کے بعد یہ ہے کہ قاضی صاحبؒ کا نقطۂ نظر جوان کے نزدیک راجح اور پسندیدہ ہے۔

و قيل اصله لاهاً بالسريانية فعرب بحذف الالف الاخيرة و ادخال اللام عليه و تفخيم لامه اذا انفتح ما قبله او انضم سنة و قيل مطلقاً و حذف الفه لحن تفسد به الصلوة ولا ينعقد به صريح اليمين و قد جاء لضرورة الشعر:

الا لا بارك الله فى سهيل ☆ اذا ما الله بارك فى الرجال

ترجمہ :اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اصل **لاھاً** ہے، یہ سریانی لغت کا لفظ ہے۔عربی میں منتقل کرنے کے لئے آخری الف کو حذف کر دیا اور شروع میں الف لام کا اضافہ کیا گیا۔قراء کا ایک فیصلہ یہ بھی ہے کہ جب اللہ کا ماقبل مفتوح ہو یا مضموم تو اللہ کا لام پُر ہوگا۔بعض قراء کی رائے میں ماقبل مضموم ومفتوح ہونے کی کوئی قید نہیں، ہر حال میں لام پُر ہوگا۔فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اگر اللہ کے الف کو دورانِ قراءت فی الصلوٰۃ حذف کر دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، نیز یہ بھی مسئلہ ہے کہ اللہ کے الف کو حذف کر کے اگر حلف کیا جائے تو حلف منعقد نہیں ہوتا۔شاعر نے یہ جو کہا ہے:

الا لا بارك الله فى سهيل ☆ اذا ماالله بارك فى الرجال

اس میں الف کا حذف ہے تو اسے ضرورتِ شعر پر محمول کیا جائے گا۔

تشــریح : لفظ اللہ کی یہ چوتھی تحقیق ہے۔اور اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ سریانی لغت کا لفظ ہے جو درحقیقت **لاھــاً** تھا، اسے عربی میں منتقل کیا تو کچھ تصرف کر دیا گیا۔مثلاً آخری الف کو حذف کر دیا گیا اور ابتداء میں الف لام داخل کیا گیا، کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ عبرانی زبان کا لفظ ہے، فارسی میں لفظ الٰہ کے اخیر میں الف کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔جیسا کہ الٰہا، ایسے ہی عبرانی میں یہ زیادتی الف **لاھــا** کہا جاتا ہے۔اور مذکور تعلیل کے تحت اللّٰہ ہو گیا۔سریانی ہو یا عبرانی، بعض محققین اسے تسلیم نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں یہ لفظ موجود ہے اور قرآن مجید بیشتر کلام عرب استعمال کرنے کا اہتمام کرتا ہے، اس لئے کسی مضبوط دلیل کے بغیر لفظ اللہ کو عربی سے خارج کرنا اور دیگر کسی زبان میں داخل کرنا پسندیدہ نہیں۔ممکن ہے کہ دلیل کے طور پر کوئی یہ کہے کہ **لاھــا** اور اللہ میں مشابہت ہے۔یہی مشابہت اشارہ دیتی ہے کہ یہ لفظ عبرانی و سریانی ہے تو یاد رکھنا چاہئے کہ صرف مشابہت کوئی ایسی قوی حجت نہیں جس کی بناء پر کسی لفظ کے بارے میں غیر عربی ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔

اس قیل وقال کے بعد کچھ مسائل قراءت وفقہی جزئیات کا تذکرہ پیش نظر ہے۔اس بحث کو سمجھنے کے لئے تفخیم کا مطلب سمجھ لیا جائے۔

قراء کی مستقل اصطلاحات ہیں اوران کے لئے بعض الفاظ انہوں نے وضع کئے ہیں۔یہ الفاظ اپنے مفہوم لغوی کے اعتبار سے رائج معانی کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔مثلاً قراء تفخیم بمقابلہ ترقیق استعمال کرتے ہیں۔تفخیم موٹا کرنا۔اسی سے فخامت استعمال ہوتا ہے۔اور ترقیق نرم کرنا، رقت وغیرہ مستعمل ہے۔اگرکسی لفظ کو پُر کرکے ادا کیا جائے تو باصطلاح قراء اسے تفخیم سے تعبیر کریں گے، ادائیگی میں نرمی ولینت تو اسے ترقیق کہا جائے گا، نیز لفظ سنّۃ اصل میں تو طریقہ کے لئے مستعمل ہے، جمع سنن۔رسول اکرم ﷺ کے طرز عمل واقوال وغیرہ کے لئے اس لفظ کا استعمال ہے۔پھر اس لفظ کے استعمال میں توسع سے کام لیا گیا۔

سنت کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ طریقے جو ہمارے آبا واجداد استعمال کرتے رہے، انہیں سنت متوارثہ کہتے ہیں اور جو کسی خاص فن کے علماء نے طریقہ طے کرلیا ہوا سے سنت اصطلاحیہ کہتے ہیں۔

قاضی صاحب نے یہاں قراء کے ایک طریق کار کو ذکر کرکے کہا کہ یہ ان کی سنت ہے۔ظاہر ہے کہ سنت متوارثہ یہاں مراد نہیں بلکہ اصطلاحی طریقہ مراد ہے۔

اس مختصر گذارش کے بعد سنئے کہ: اگر لفظ اللہ کا ماقبل مفتوح یا مضموم ہو تو قراء لام کو پُر پڑھنے کا مطالبہ کرتے ہیں، ماقبل مکسور ہونے کی صورت میں لام کی ادائیگی نرم ہونی چاہئے، یہ اسلاف قراء کا طریقہ ہے، جب کہ بعض حضرات کی رائے ہے کہ لفظ اللہ کے لام کو پُر ہی پڑھنا چاہئے ماقبل مفتوح یا مضموم ہونے کی قیودات غیر ضروری ہیں چوں کہ اس سے عظمت باری نمایاں ہوتی ہے، نیز پُر پڑھنے کی صورت میں پوری زبان ادائیگی میں مصروف ہوتی ہے اور یہ بھی ہے کہ لفظ اللہ اور لفظ لات کے لام میں فرق بھی اس طرح ہوسکتا ہے کہ لفظ اللہ کے لام کو پُر کیا جائے۔اگر کسرہ کی صورت میں تفخیم سے کام لیا جائے تو کسرہ وتفخیم کے مطالبات معارض ہوں گے۔کسرہ کا تقاضہ ہے ادائیگی بخفت اور تفخیم ادائیگی بشوکت کا مطالبہ کرتی ہے۔اور یہ دونوں ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔مطلقاً لام کی ادائیگی کو پر کرنا جن لوگوں کا خیال ہے وہ بھی اسے قراء کی سنت کہتے ہیں۔یہ تو قراءت کے مسئلے تھے۔

مزید تفصیل اسی لفظ اللہ کے سلسلے میں یہ ہے کہ اللہ میں جو لام اور ہا کے درمیان الف ہے اس کو حذف کردینا غلط ہے۔قاضی صاحبؒ نے یہاں لفظ لحن استعمال کیا ہے، اسے بعض حضرات نے کہا کہ لحن لغوی غلطی کے لئے استعمال ہے، جب کہ بعض کا خیال ہے کہ یہ قراءت کی غلطیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

شوافع واحناف دو فقہی نقطۂ نظر ہیں: اول الذکر کے سرخیل حضرت امام شافعیؒ اور ثانی الذکر کے قائد حضرت

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ ہیں۔ یہ دونوں ہی حذف الف کی صورت میں فسادِ صلوٰۃ کے قائل ہیں۔شوافع کا یہ خیال اس وجہ سے ہے کہ بسم اللہ ان کے یہاں سورۂ فاتحہ کا جزء ہے اور سورۂ فاتحہ کی قراءت نماز میں امام اور مقتدی دونوں پر فرض ہے اور کسی جزء کے فوت ہونے سے کل ہی فوت ہوجاتا ہے، جب لفظ اللہ غلط ہوگیا اور اس کا ایک جزء چھوٹ گیا تو گویا کہ لفظ اللہ ہی چھوٹ گیا۔ اس طرح بسم اللہ ہی غلط ہوگئی اور بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جزء تھا۔ سورۂ فاتحہ ہی گویا غلط ہوگئی اور سورۂ فاتحہ مقتدی و امام دونوں پر فرض تھی تو گویا کہ نماز بغیر فرض رہ گئی اور جب نماز کا کوئی فرض چھوٹ جائے تو فساد صلوٰۃ واضح ہے۔

احناف بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کا جزء نہیں مانتے، لیکن ان کے خیال میں بھی الف کو حذف کرنے سے یا کلام غلط ہوجاتا ہے یا معنی بدل جاتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں مفسدِ صلوٰۃ ہیں، بلکہ قاضی صاحبؒ نے ایک مسئلہ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ لفظ اللہ کے الف کو اگر حذف کردیا جائے تو پھر یہ حلف کے لئے کارآمد نہیں۔ قاضی صاحب نے یہاں صریح یمین کا لفظ استعمال کیا ہے۔ صریح یمین میں حلف واقع ہوجاتا ہے، اگرچہ حلف کی نیت ہو یا نہ ہو، جیسا کہ طلاق صریح میں صاف صاف الفاظ برائے طلاق استعمال کرنے سے وقوع طلاق ہوتا ہے، خواہ ان الفاظ کو استعمال کرنے والے کی نیت طلاق کی ہو یا نہ ہو۔ نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ لفظ باللہ میں اگر کسی نے الف کو حذف کردیا اور بللّٰہ کہا اور حلف کی نیت کی تو حلف قائم ہوجائے گا۔

امام غزالیؒ نے یہی تحریر کیا ہے۔ اس تفصیل پر یہ اشکال ہے کہ آپ اللہ کے درمیانی الف کو حذف کرنے کی صورت میں فساد صلوٰۃ اور عدم انعقاد یمین وغیرہ کی باتیں چھیڑ رہے ہیں، بلکہ آپ نے اسے لغوی غلطی ہی کہہ دیا، حالاں کہ ایک عرب شاعر نے بحذف الالف لفظ اللہ اپنے شعر میں استعمال کیا ہے۔ شعراء کا کلام کسی چیز کی صحت کے لئے بڑی قوی دلیل ہے۔ اگر یہ صحیح نہ ہوتا تو شاعر کیسے استعمال کرتا، شعر یہ ہے:

الا لا بارك اللّه في سهيل ☆ اذا ما اللّه بارك في الرجال

کہ خدائے تعالیٰ جب عام لوگوں کو اپنی برکات سے نواز رہا ہو تو سہیل نامی شخص کو وہ اپنی عام برکات سے بھی محروم رکھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ اللہ کے الف کو جو شاعر نے حذف کرکے استعمال کیا ہے وہ ضرورتِ شعر کی بنا پر ہے۔ بعض اوقات وزن شعر کو بدستور باقی رکھنے کے لئے اس طرح کے تصرفات کردیئے جاتے ہیں اور چوں کہ یہ تصرفات ضرورت کے تحت ہوتے ہیں، اس لئے انہیں کسی متفقہ دعوے کے خلاف پیش کرنا مناسب نہیں۔

❀ .... ❀ .... ❀

ہندوستان میں
اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی

علامہ سید سلیمان ندویؒ

تاریخی قیاسات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت جب مسلمان سندھ کے سرحد پر تھے، ملک میں ان دونوں مذہبوں کے اندر جنگ برپا تھی اور بودھ برہمنوں کے مقابلہ میں اپنے کو بے دست و پا پا کر مسلمانوں کی طرف صلح ومحبت کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ عین اس وقت جب محمد بن قاسم کی فاتح فوج شہر بیرون یا نیرون میں پہنچتی ہے تو وہاں کے لوگوں نے اپنے سمنیوں (بودھ پجاریوں) کو پیش کیا اور معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے سفراء عراق میں خاص حجاج کے پاس بھیج کر امان حاصل کر لی ہے۔ چنانچہ نیرون کے لوگوں نے محمد کا شاندار استقبال کیا، اس کے لئے رسد کا انتظام کیا اور اپنے شہر میں داخل کیا اور صلح کی پوری پابندی کی، اس کے بعد جب اسلامی فوج نہر سندھ کو عبور کر کے ہندوستان پہنچتی ہے تو پھر سمنیہ بودھ لوگ صلح کے قاصد بنتے ہیں [1] اس طرح سیوستان میں ہوتا ہے کہ سمنی لوگ (بودھ) بجے رائے اپنے راجہ کو چھوڑ کر بخوشی مسلمانوں کا ساتھ دیتے ہیں اور ان کو قبول کرتے ہیں، کا کا کوئی مشہور عقل مند اور سیاست دان آدمی تھا، جاٹ روساء اس کے پاس جا کر مشورہ کرتے ہیں کہ کیا مسلمانوں کی فوج پر شب خوں مارا جائے، وہ جواب میں کہتا ہے ''اگر تم ایسا کر سکو تو بہتر ہے مگر سنو کہ ہمارے پنڈتوں اور جوگیوں نے جنتر دیکھ کر یہ پیشین گوئی

---

(۱) یہاں پہنچ کر ذرا ہم کو لفظ سمینہ پر ایک لحظہ ٹھہرنا ہے، سب سے پہلے یہ لفظ مجھ کو علم کلام کی کتابوں میں نظر آیا، ذکر المعتزلہ زبیدی، ملل ونحل شہرستانی، کتاب البدء والتاریخ للبلخی وللمقدسی میں یہ لفظ ملا، لیکن اس کی حقیقت سے ناواقف رہا، اس کے بعد جب سندھ کی تاریخ پڑھی تو اس میں یہ لفظ بار بار آیا اور معلوم ہوا کہ یہ عربی زبان میں بودھ مت کے پیروؤں کا نام ہے، اصل میں یہ سنسکرت لفظ ہے، الیٹ صاحب کہتے ہیں کہ یہ سنسکرت لفظ سرامنا ہے، جس کے معنی پجاری، جوگی یا زاہد کے ہیں اور خاص دور پر بودھ مت کے معتقدوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور قریب قریب اسی نام سے یونانی مؤرخوں اور جغرافیہ نویسوں نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے۔ (ج۱ص:۵۰۶)

کردی تھی کہ اس ملک کو ایک دن مسلمان فتح کرلیں گے، لوگ اس کی بات نہیں مانتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں'' کاکا نے کہا ''تم لوگ خوب جانتے ہو کہ میرا ارادہ اور عزم مشہور ہے، لیکن بودھوں کی کتابوں میں پیشین گوئی پہلے ہی لکھی جا چکی ہے کہ ہندوستان کو مسلمان فتح کریں گے اور میں بھی یقین رکھتا ہوں کہ درحقیقت ایسا ہی ہونے والا ہے'' اس کے بعد کاکا محمد بن قاسم کے پاس چلا جاتا ہے اور جاٹوں کے ارادوں سے اس کو آگاہ کرتا ہے اور اپنی کتابوں کی پیشین گوئی اس کو سناتا ہے، محمد بن قاسم اس کو بہ عزت تمام لیتا ہے اور اس کو اس کے ساتھیوں کو انعام واکرام اور خلعت سے سرفراز کرتا ہے اور راجہ داہر کے بہت سے مخالف افسر (غالبًا بودھ) خود آکر اطاعت کرتے ہیں۔ (بلاذری، ص:۴۳۷، ۴۳۸، مطبع بریل لیڈن میں دو واقعے ہیں، پہلا واقعہ چچ نامہ میں بھی ہے)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے بودھوں نے ایک طرف مسلمانوں کو اور دوسری طرف برہمنوں کو تولا تو ان کو مسلمان بہتر نظر آئے۔ اور دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس سے پہلے ترکستان وافغانستان کے بودھوں کے ساتھ مسلمانوں نے جو حسن سلوک کیا ان لوگوں نے جس کثرت اور سرعت کے ساتھ اسلام کو اختیار کیا اس کا اثر ملک کے بودھوں پر بھی پڑا۔ (چچ نامہ الیٹ، ص:۱۰۶، ایضاً ج۱ ص:۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲)

محمد بن قاسم ایک ایک شہر فتح کرتا جاتا تھا اور نقبائے اسلام لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے جاتے تھے، محمد بن قاسم نے عام اعلان کر دیا تھا کہ جو چاہے اسلام کو قبول کر کے ہمارا بھائی بن جائے اور ہمارے برابر حقوق حاصل کرے اور جو چاہے اپنے کیش ومذہب پر قائم رہ کر اطاعت اختیار کرلے، لوگ جوق درجوق آرہے تھے اور اپنی خواہش کے مطابق یا مسلمان ہو رہے تھے یا ذمی بن رہے تھے، خود محمد بن قاسم کی فوج میں اس وقت چار ہزار نومسلم جاٹ تھے (بلاذری، ص:۴۳۸) بودھی مان ایک سردار آکر امان اور منصب پاتا ہے (چچ نامہ، ص:۱۵۷، الیٹ ج۱، ص:۱۷) نیرون میں بدھ معبد کے مطابق نومسلموں کے لئے جامع مسجد بنتی ہے اور ایک امام مقرر ہوتا ہے (ایضاً، ص:۱۵۸) سیوستان اور سیسام کے قلعے جب فتح ہوتے ہیں تو وہاں کے لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں، بت خانوں کی جگہ مسجدیں تعمیر ہوتی ہیں، امام ومؤذن مقرر ہوتے ہیں، خطبے پڑھے جاتے ہیں۔ (ایضاً، ص:۱۶۴)

اب ٹھاکر بھی اسلام کی اطاعت کی طرف مائل ہوتے ہیں، محمد بن قاسم ان کی پوری عزت کرتا ہے، ان کو اکرام وانعام وجاگیر سے خوش کرتا ہے، موگا نام کا ٹھاکر آتا ہے تو اس کو وہ راجگی کا چتر دیتا ہے، یہ پہلا چتر ہے جو مسلمان کسی ہندو راجہ کو عطا کرتے ہیں۔ (ایضاً، ص:۱۶۵)

ہم کو ایک سندھی پنڈت کا نام ملتا ہے جو راجہ داہر کے دربار میں پورا رسوخ رکھتا تھا، وہ مسلمان ہو جاتا ہے اور یہ درجہ حاصل کرتا ہے کہ اس کو ''مولانا اسلامی'' کا خطاب ملتا ہے اور محمد بن قاسم کی طرف سے وہ

راجہ داہر کے دربار میں سفیر بن کر جاتا ہے، مولانا اسلامی جب دربار میں قدم رکھتے ہیں تو پہلے کی طرح راجہ کی ہندوانہ بندگی نہیں بجالاتے ہیں، راجہ پہچانتا ہے اور اس گستاخی کی وجہ دریافت کرتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں: ''اے راجہ! جب میں تیری رعایا تھا تو مجھ پر واجب تھا کہ تیری تعظیم بجالاؤں، مگر اب جب میں مسلمان ہوگیا ہوں اور اسلام کے بادشاہ کی رعایا ہوں تو مجھ سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ میں اپنا سر ایک کافر کے سامنے جھکاؤں۔'' راجہ یہ سن کر آگ ہوگیا اور کہا کہ ''اگر تم قاصد بن کر نہ آئے ہوتے تو تمہاری گردن اڑا دیتا'' مولانا نے کہا: ''ایک میرے قتل سے عربوں کو کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچ سکتا، لیکن وہ میرے قتل کا تم سے انتقام لیں گے اور جرمانہ بھی وصول کریں گے۔'' (چچ نامہ الیٹ، ص: ۱۶۵)

دیکھو تو ایک نومسلم پنڈت کو اپنے اسلام پر کتنا غرور اور اپنے مسلمان بھائیوں کی امداد واعانت پر کتنا بھروسہ اور عام مسلمانوں کے ساتھ اپنے حق اور رتبہ کی برابری پر کتنا یقین ہے۔

پھر نظر آتا ہے کہ بھاٹیہ ٹھاکر اور غزنی کے جاٹوں نے اسلام کی رضامندانہ اطاعت اختیار کر لی ہے۔ (ایضاً، ص: ۱۶۷) محمد بن قاسم امرائے سندھ کے نام عام اعلان کرتا ہے کہ جو چاہے مسلمان ہو کر ہمارا بھائی بن جائے اور جو چاہے اپنے مذہب پر قائم رہ کر امن وامان حاصل کرے، اس اعلان کو پڑھ کر سیسام کا راجہ داہر کے وزیر نے اپنے خاص معتمدوں کو بھیج کر امان حاصل کی اور اس نے اخلاص کے ثبوت میں ان مسلمان خواتین کو جو جہاز میں لوٹ لی گئی تھیں، دربار میں لاکر حاضر کیا۔ (ایضاً، ص: ۱۷۶)

برہمن آباد وغیرہ کے فتح ہو جانے کے بعد غالباً برہمنوں نے یہ دیکھ کر کہ ان کے حریف بودھوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کس قدر فوائد حاصل کئے، انہوں نے بھی اپنا ایک وفد مرتب کیا اور محمد بن قاسم کے دربار میں پہنچے، محمد نے ان کی قدر کی، لیکن برہمنوں نے یہ شرط پیش کی کہ ہندو دستور کے مطابق ہمارا قومی درجہ تمام دیگر ذاتوں سے بلند رکھا جائے، محمد بن قاسم نے ان کے اس دعوے کی سچائی کی تحقیق کی اور جب اس کو اس کے متعلق تشفی ہوگئی تو اس نے ان کا اعزاز کیا اور ان کو تمام عہدوں پر سرفراز کیا، برہمنوں نے اس کا خاص شکریہ ادا کیا اور گاؤں گاؤں میں جا کر نئے حکمراں کے عدل وکرم کے گیت گائے اور اپنے مذہبوں کو اطاعت اور فرماں برداری پر آمادہ کیا اور جو مساوات حقوق عربوں کی بدولت پیدا ہوئی تھی، اس کی ہر جگہ جا کر تعریفیں کیں۔ (چچ نامہ، ص: ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، الیٹ ج۱)

❀ .... ❀ .... ❀

(آخری قسط)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا مسلکِ طریقت

جناب ڈاکٹر نثار احمد فاروقی
ڈاکٹر ذاکر حسین کالج، دہلی

شاہ صاحبؒ کے سلسلہ کی مختصر تاریخ

ثانیٔ ابن عربی حضرت محبّ اللہ الہ آبادی کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ خلیفہ حضرت شیخ محمدی فیاض اکبرآبادی مولانا رفیع الدین فاروقی شاگرد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے تذکرۃ المشائخ میں لکھا تھا کہ شاہ محمدی فیاض علوم ظاہری کے بھی اتنے ہی بڑے عالم تھے، ورع وتقویٰ میں ان کے مرتبے کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ شیخ محبّ اللہ نے فرمایا: ''اگر یہ میرے مرید نہ ہوتے تو میں خود ان کا مرید ہوتا۔''

شاہ محمدی فیاض کا قیام آگرہ میں رہتا تھا اور داراشکوہ ان کی مجلسوں میں شریک ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنے مرشد شیخ محبّ اللہ الہ آبادی کی کتاب تسویہ کی شرح بھی لکھی تھی۔ اسی کی آڑ لے کر اورنگ زیب نے انہیں پہلے گوالیار پھر اورنگ آباد کے قلعے میں اسیر کر دیا تھا۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کو بھی شیخ محی الدین ابن عربی کی تصانیف سے گہرا لگاؤ تھا، ان کے رموز و دقائق کو خوب سمجھتے تھے اور ظاہر شریعت پر ان کا انطباق خوب کرتے تھے، عوام سے تو ان مسائل کو بچا کر رکھتے تھے لیکن اگر علماء اور صاحبان دل کی محفل ہوتی اور مسئلہ وحدت الوجود کا ذکر چھڑ جاتا تو ایسے حقائق و معارف بیان فرماتے تھے کہ جن سے کچھ اندازہ ہوسکتا تھا کہ خود شاہ صاحبؒ کس مقام پر فائز ہیں۔ بقول شاعر:

خم کے خم پی گئے مئے منصور
لیک اس کا سا شور و شر نہ کیا

ایک بار مسئلہ وحدت وجود و وحدت شہود کی بات چھڑ گئی، بس پھر کیا تھا، تین دن تک نماز عصر سے وقت

عشاء تک برابر اسی موضوع پر کلام کرتے رہے۔ (الانور،ص:۴۷۸)

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک بحر مواج ہے کہ امڈا چلا آتا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے اپنی بعض نظموں میں مسائل توحدی وجودی نظم کئے ہیں۔ یہ نظمیں بھی شاہ صاحبؒ کو ازبر تھیں۔

حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے چار مسئلوں میں شرح صدر رہے (اشرف التنبیہ ص:۲۵) مسئلۂ قدر، مشاجرات صحابہ، مسئلہ روح اور وحدت الوجود۔ حضرت کے متوسلین کو بھی اس کا کچھ نہ کچھ فیضان ضرور پہنچا ہے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ (ف ۶۳۰ھ) کے بارے میں شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ وہ اس امت کی عظیم ترین شخصیتوں میں سے ہیں، وہ حقائق کی تہہ تک پہنچتے ہیں اور اس فن میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔

(فیض الباری، ص:۲/۱۶۴، بحوالہ: الانور، ص:۳۸۰)

درس حدیث میں بھی حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے جب کبھی اسرار شریعت پر بیان کرنے کا موقع آتا تھا تو شیخ اکبر اور شیخ عبدالوہاب شعرانی کے حوالے بکثرت دیتے تھے۔ (الانور، ص:۴۵۰)

مشہور مقدمہ بہاول پور میں آپ کی شہادت پر جرح کرتے ہوئے قادیانی وکیل نے شیخ ابن عربی کے بعض اقوال سے معارضہ کیا تو آپ نے شیخ اکبر کی پوری مدافعت فرمائی تھی، حتی کہ ایک موقع پر فرمایا:

''صوفیاء کے یہاں ایک باب ہے، جس کو شطحیات کہتے ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ ان پر حالات گزرتے ہیں اور ان حالات میں کچھ کلمات ان کے منہ سے نکل جاتے ہیں، جو ظاہری قواعد پر چسپاں نہیں ہوتے اور بسا اوقات غلط راستہ لینے کا سبب بن جاتے ہیں۔ صوفیاء کی تصریح ہے کہ ان پر کوئی عمل پیرا نہ ہو اور تصریح کرتے ہیں کہ جن پر یہ احوال نہ گزرے ہوں یا جو ان کی اصطلاحات سے واقف نہ ہوں وہ ہماری کتابوں کا مطالعہ نہ کریں۔'' (الانور، ص:۴۷۳)

حضرت کشمیریؒ کا بنیادی طور پر صوفی منش ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ وہ امام ابن تیمیہؒ کے تبحر علمی اور خلاقانہ فکر کے قائل تھے، مگر انہیں تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے بارے میں اعتدال پسندانہ اور منصفانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ فرماتے تھے کہ ابن تیمیہ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کا دین یا پیغمبر کی حدیث کو ان کی عقل کے موافق اترنا چاہئے تھا۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ حافظ ابن تیمیہ صرف اپنی کہتے ہیں دوسروں کی نہیں سنتے۔ (الانور، ص:۳۶۸)

شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ ایک ہاتھ میں ابن تیمیہ کی تصانیف ہیں اور دوسرے میں شیخ اکبر کی۔ ابن تیمیہ کے افکار سے جلال و جبروت الٰہی کا اظہار ہوتا ہے اور شیخ اکبر کی کتب سے رجا وانبساط ومحبت حق اور انس ملتا ہے'' طریقت اور شریعت کے تعارض کی بحثوں میں اس سے زیادہ معتدل اور منصفانہ رائے ہم عصر علماء میں اور کسی کے یہاں مشکل ہی سے ملے گی۔

حضرت شاہ محمدی فیاض اکبرآبادی (ف ۱۱۰۷ھ) ہی پہلی بار امروہہ میں آکر بس گئے تھے۔ یہاں ان کے بھتیجے حضرت مولانا عضدالدین امروہوی نے ان سے سلوک کی تکمیل کر کے خلافت پائی۔ بعض شجروں میں حضرت عیسیٰ ہرگامی، شاہ محمد حامد، محمد روشن مدنی وغیرہ ناموں کا اضافہ صرف برکت کے لئے کرلیا گیا ہے۔ حضرت شاہ عضدالدین (ف ۱۱۷۲ھ) نے معقول ومنقول کی تحصیل زمانے کے رواج ومنہاج کے مطابق کی تھی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ہندو فلسفہ کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے انہوں نے بھیس بدل کر کئی سال اجودھیا میں قیام کیا اور سنسکرت پڑھی۔ وہ فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ دیوان تو ضائع ہوگیا، کچھ متفرق اشعار مل جاتے ہیں۔ فارسی میں ایک اعلیٰ درجہ کی تصنیف ''مقاصد العارفین''، جس کا تذکرہ پہلے کرچکا ہوں۔ ان کی ایک سنسکرت کتاب ''ست سرور'' (جس کا ترجمہ بحرالحقیقت ہوسکتا ہے) بھی تھی، اس کی ایک جھلک میں نے دیکھی ہے، اب یہ ناپیدا ہوگئی ہے۔

حضرت شاہ عضدالدین صاحبؒ کے ایک خلیفہ ان کے فرزند حضرت شاہ معزالدین عرف میاں موج (ف ۱۱۹۵ھ) تھے اور دوسری خلافت حضرت شاہ عبدالہادی چشتی امروہوی (ف ۱۱۹۰ھ) کو ملی تھی اس کے بعد کئی پشتوں تک یہی سلسلہ رہا کہ ایک خلافت فرزند کو ملتی رہی، دوسری حضرت شاہ عبدالہادی کی اولاد کو۔

حضرت شاہ عبدالہادیؒ نسباً صدیقی تھے اور ان کا خاندان عہد سلطنت ہی سے امروہہ میں آباد اور عہدۂ قضا وغیرہ پر سرفراز تھا۔ ان کی رسمی تعلیم زیادہ نہیں ہوئی مگر طریق سلوک کو اپنے مرشد کی رہنمائی میں خوب طے کیا تھا۔ خود انہوں نے بھی ایک کتاب مقصود الطالبین لکھی تھی جس کا میرے علم میں اب صرف ایک نسخہ باقی ہے اور وہ میرے پاس ہے۔ ان کے حالات وملفوظات پر مشتمل ایک کتاب مفتاح الخزائن ان کے خلیفہ سید نثار علی بخاری بریلوی ''صاحب انشائے دلکشا'' نے لکھی تھی، جس کا ایک قلمی نسخہ میرے ذخیرے میں موجود ہے اور ان شاء اللہ اسے مع اردو ترجمہ وحواشی شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں (ف ۱۱۹۵ھ) جب سنبھل یا مرادآباد تشریف لے جاتے تو حضرت شاہ عبدالہادی کی خانقاہ میں ضرور قیام فرماتے تھے۔ چنانچہ دوبارہ موضع براہی (پرگنہ سنبل) میں ان سے ملاقات کرنے تشریف لے گئے اور

ایک یا دو بار امروہہ میں خانقاہ ہادویہ میں قیام فرمایا۔

حضرت شاہ عبدالہادیؒ کے ایک ہی فرزند شیخ ظہور اللہ تھے، لیکن انہوں نے اپنے والد سے تکمیل سلوک نہیں کی تھی، بلکہ ان کے بیٹے حضرت شاہ عبدالہادیؒ نے تربیت روحانی حاصل کی تھی۔ اس لئے حضرت شاہ عبدالہادیؒ نے انہیں اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت شاہ عبدالہادیؒ کی رسمی تعلیم بھی خوب ہوئی تھی اور سلوک میں تو اپنے وقت کے امام ربانی تھے۔ حضرت شاہ عبدالرحمٰن لکھنویؒ نے بھی چھ ماہ تک ان کی خانقاہ میں قیام کر کے ان سے باطنی فیوض کا اکتساب کیا تھا۔ (انوار الرحمٰن لتنویر الجنان، طبع ۱۲۸۷ھ، ص:۳۲)

حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے ان کے دادا سے اپنے روابط قلبی پر نظر کر کے انہیں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بھی اپنی خلافت دی تھی۔ چنانچہ امروہہ میں مرزا صاحبؒ کے دو خلفاء ہیں: ایک حضرت شاہ ضیف اللہ نقشبندی، دوسرے شاہ عبدالہادی چشتیؒ۔ (تذکرۃ الکرام)

حضرت شاہ عبدالرحیم علاقہ سرحد کے رہنے والے فاطمی سید تھے۔ انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر کئے گئے ہیں اور حضور ﷺ نے انہیں اپنے پاس بیٹھے ہوئے کسی بزرگ کے سپرد کر دیا ہے۔ ان بزرگ کا نقشہ ذہن میں محفوظ رہا اور انہیں تلاش کرنے کی تڑپ دل میں شروع ہوئی۔ احباب سے تذکرہ کیا تو ایک نے کہا: میں نے بھی ایسا خواب دیکھا ہے۔ چنانچہ دونوں اس مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ یہ روایت بہت سے مآخذ میں بیان ہوئی ہے، مگر رسالہ درفرید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسرے ساتھی اخوند جان محمد تھے۔

دونوں لاہور، ملتان، انبالہ، ساڈھورہ، انجلاسہ، سہارنپور، مظفرنگر وغیرہ کی خانقاہوں میں ٹھہرتے ہوئے امروہہ وارد ہوئے تو حضرت شاہ عبدالباری کی خانقاہ میں پہنچے، وہ اس وقت مثنوی مولانا روم کے مطالعے میں تھے۔ ان کی صورت دیکھتے ہی وہ خواب آنکھوں کے سامنے متمثل ہو گیا۔ حضرت شاہ عبدالباریؒ نے شاہ عبدالرحیم فاطمی کو مرید کر لیا اور تکمیل سلوک کرانے کے بعد انہیں خلافت بھی دیدی تھی مگر اخوند جان محمد سے اسی وقت فرمایا کہ تمہارا حصہ شاہ غلام علی صاحب کے یہاں ہے۔'' چنانچہ یہ وہاں چلے گئے اور ان سے بیعت ہو کر مجاز ہوئے، پھر ہجرت کر کے مکہ معظّمہ چلے گئے تھے اور جبل ابوقبیس پر معتکف رہتے تھے۔

اس واقعے کو راویوں نے خدا جانے کیا کیا گھٹا بڑھا کر بلکہ اکثر حالات میں مسخ کر کے پیش کیا ہے۔

یہاں حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ اسلاف طریقت کی مختصر تاریخ بیان کرنے سے اصل مقصود بعض شدید طور پر پھیلی ہوئی غلط بیانیوں کی تصحیح کرنا ہے جو ارواح ثلاثہ جیسی کتابوں سے عام ہوئی ہیں۔ مثلاً

روایات میں یہ کہا گیا ہے کہ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید میں مولانا گنگوہیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''دو چار روز کے بعد حاجی عبدالرحیم صاحب حضرت شاہ عبدالباری صاحب سے رخصت ہو کر ایک جگہ اللہ کی یاد میں مصروف ہو گئے۔ چھ ماہ کے بعد جب شاہ صاحب کی زیارت کو امروہہ حاضر ہوئے تو شاہ صاحب کا وصال ہو گیا تھا، یہ ابھی مجاز نہ ہوئے تھے کہ شیخ کا انتقال ہو گیا۔'' (تذکرۃ الرشید، ۲/۲۶۲، ۲۶۳)

مولوی عاشق الٰہی کی روایت ہے کہ پھر حاجی عبدالرحیم صاحب پنجلاسہ میں رحم علی شاہ قادری کے پاس آئے تو ان کے پہنچنے سے پہلے شاہ صاحب کا بھی انتقال ہو گیا، تھا، ان سے بھی مجاز نہ ہوئے۔'' (ایضاً)

آخر سید احمد صاحب بریلوی جب سہارنپور تشریف لائے تو حضرت حاجی صاحبؒ بھی حاضر ہوئے، ان کو مجاز فرمایا۔

مولوی عاشق الٰہی مرحوم خود اس سلسلے میں بیعت ہیں۔ ایسی غیر ذمہ دارانہ روایات شاید ہی کسی نے کبھی اپنے بزرگانِ سلسلہ کے بارے میں لکھی ہوں۔ میں بجز اس کے کیا کہہ سکتا ہوں کہ قرآن کا قول فیصل موجود ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَ الخ.

گویا حضرت شاہ عبدالباری کی زندگی ہی میں حضرت شاہ عبدالرحیم نے حضرت سید احمد شہیدؒ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ بعد میں کسی نے ان سے اس طرح کا سوال کیا کہ سید صاحب سے بیعت کرنے کے بعد آپ کو کیا ملا؟ تو انہوں نے کہا کہ ہمیں نماز پڑھنی آ گئی اور روزہ رکھنا آ گیا۔'' گویا شاہ عبدالباری کی خانقاہ میں نماز روزہ تک درست نہ تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالباری کا انتقال ۱۲۲۶ھ میں ہوا، اس وقت حضرت شاہ عبدالرحیم فاطمی ان کی خانقاہ میں موجود تھے اور دوسرے بزرگ ضلع ہزارہ کے میر حاتم علی صاحب (ف ۱۲۴۵ھ) تھے جنہیں چشتی نظامی سلسلے میں حضرت شاہ فخر الدین دہلوی سے بھی فیض پہنچا تھا اور حضرت شاہ عبدالباری کی خدمت میں آئے تو پھر زندگی بھر کہیں نہیں گئے۔ انتقال کے بعد بھی ان کے قدموں میں آسودہ ہیں۔ انتقال کے وقت ان کے فرزند اکبر حضرت شاہ رحمٰن بخش (ف ۱۲۸۰ھ) کی عمر صرف پچیس سال تھی اور انہوں نے سلوک کی تکمیل نہیں کی تھی۔ انتقال کے وقت حضرت شاہ عبدالباری نے انہیں اپنے خلیفہ میر حاتم علی صاحب کے سپرد کیا اور کہا کہ جب ان کا سلوک مکمل ہو جائے تو انہیں اجازت دیدینا۔ چنانچہ خاندانی شجرۂ طریقت میں حضرت شاہ عبدالباری اور ان کے فرزند شاہ رحمٰن بخش کے درمیان میں میر حاتم علی صاحب کا اسم گرامی آتا ہے۔ حضرت شاہ بخش رحمٰن کو جہاد کی بڑی تمنا تھی۔ اسی نیت سے ایک گھوڑا لے کر پال رکھا تھا

اور شہسواری اور شمشیر زنی بھی سیکھی تھی۔ بڑھاپے میں بھی بصارت زائل ہونے کے باوجود اس نیت سے تھوڑی سی ورزش کیا کرتے تھے کہ جہاد میں حصہ لوں گا۔ حضرت شاہ عبدالباریؒ کی وفات کے ۱۵، ۱۶ سال کے بعد ۱۲۴۴ھ میں حضرت سید احمد شہیدؒ نے سارے شمالی ہندوستان کی خانقاہوں اور مدرسوں کو ایک گشتی دعوت نامہ بھیجا اور تحریک جہاد میں حصہ لینے کی اپیل کی۔ اس وقت حضرت شاہ رحمٰن بخش کود جانے کے لئے آمادہ ہوگئے مگر مسترشدین اور دوسرے حضرات نے مشورہ دیا کہ آپ کے جانے سے خانقاہ بند ہوجائے گی اور رشد و ہدایت کا جو کام یہاں ہو رہا ہے یہ موقوف ہوجائے گا۔ شاہ عبدالرحیم فاطمی کو نمائندہ بنا کر بھیج دیجئے۔ حاجی عبدالرحیم صاحب افغانی تھے، جسم قوی تھا، فنون حرب سے واقف تھے اور تمام عمر تجرد میں بسر کی تھی۔ اہل وعیال کا بکھیڑا بھی ان کے ساتھ نہیں تھا۔ چنانچہ ۲۰، ۲۵ ر اصحاب نے جہاد میں شرکت کے لئے اپنے نام لکھوا دیئے، خانقاہ کی طرف سے پانچ سو روپئے کی ایک تھیلی اور بعض دوسرے ہدایا لے کر مجاہدوں کا یہ مختصر سا قافلہ امروہہ روانہ ہوا اور سہارنپور جا کر حضرت سید احمد شہید صاحبؒ کے قافلے سے مل گیا۔ حضرت شاہ عبدالرحیم فاطمی نے حضرت سید احمد صاحب شہید سے بیعت ارادت نہیں کی تھی، بیعت جہاد کی تھی۔ اس لئے جو لوگ اس بیعت کی بنیاد پر سلسلۂ طریقت قائم کر لیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، اس بیعت جہاد کو وہ ''طریق محمدیہ'' سے موسوم کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس طریقے کی نسبت حضرت محمد ﷺ سے بطور ظاہر شریعت ہے۔ (وصایا وزیری، ۲/۴۲، بحوالہ جماعت مجاہدین: ۲۲۱)

یہاں ضرورۃً اس بات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت عبدالباری میرے جد امجد تھے اور ان کے پڑپوتے حضرت شاہ سلیمان احمدؒ جو علوم ظاہری میں حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہی کے شاگرد تھے، میرے مربی اور مرشد تھے، اس خاندان کے کتب خانے اور بیاضوں کا کچھ حصہ جو اصلی ذخیرے کا ہزارواں حصہ بھی نہیں ہے اس نامہ سیاہ کے پاس محفوظ ہے، اس لئے یہ مختصر تاریخ جو میں نے بیان کی ہے دوسری تمام روایات کے مقابلے میں اصح اور مستند ترین ہے۔

سید صاحب کے قافلے میں شامل ہونے کے بعد اگلے ہی سال ۲۷ر ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو حضرت سید احمد صاحبؒ کے ساتھ ہی بالاکوٹ کے معرکے میں پنجتار کے مقام پر شاہ عبدالرحیم صاحبؒ شہید ہوگئے تھے، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ.

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اپنے پیر و مرشد کی وفات کے بعد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کا خانقاہ امروہہ میں قیام رہا، البتہ دہلی، مظفرنگر، ساڈھورہ وغیرہ جاتے رہتے تھے اور ان علاقوں میں ان کے مریدین بھی تھے۔ حضرت میاں جی نور محمدؒ (ف ۱۲۵۸ھ) نے ان کی بیعت جہاد سے بہت پہلے ان سے خلافت واجازت حاصل کر لی تھی۔

حضرت میاں جی نور محمد کو تمام تر تعلیم وتلقین حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ہی سے ملی اور وہی حضرت شیخ الکل حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ تک پہنچی۔

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پر تو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

حاجی صاحبؒ کی ذات اللہ کی شان کبریائی کا ایک آئینہ تھی۔ ''تفضیل بعض علی بعض'' بڑا نازک معاملہ ہے اور ہم جیسے عامیوں کو زیب نہیں دیتا، مگر دل یہ کہتا ہے کہ کم سے کم ان دو صدیوں میں حاجی صاحبؒ کی کوئی نظیر کہیں نہیں ملے گی۔ یہ صرف حاجی صاحب ہی ہیں جن کی شخصیت کے مرکزی نقطے پر چشتی اور نقشبندی، قادری اور سہروردی، بریلوی اور دیوبندی، عالم اور امی سب جمع ہو گئے ہیں اور چشتی نسبت عالیہ کا رنگ اپنی بھرپور جلوہ سامانیوں کے ساتھ نکھر آیا ہے۔

جن اختلافی امور کو بنیاد بنا کر ہندوستان کے علمائے احناف نے اپنے جداگانہ قبرستان کھول لئے ہیں حاجی صاحب کی شخصیت اور افکار میں وہ فروعی اختلاف ایسے غائب ہو گئے ہیں جیسے میل کچیل کو دریا بہالے جاتا ہے۔

ابھی مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس صدی کے آغاز سے بعض حضرات جن میں ذمہ دار علماء اور اکابر شامل نہیں ہیں، البتہ ان کے اغماض کا شکوہ ضرور کیا جاسکتا ہے اس سلسلے کی نسبت کو ہی ''غت ربود'' کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب زیادہ زور اس بات پر ہے کہ سلسلۂ طریقت کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی یا حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ یا حضرت سید احمد شہیدؒ سے جوڑا جائے اور چشتی نسبت کے ساتھ وہ سلوک ہے جو ہمارے بعض ہم وطن قرونِ وسطیٰ کی تاریخ کے ساتھ کر رہے ہیں۔

اکثر شجروں میں حضرت شاہ عبدالہادیؒ کے نام کے بعد نام تک صحیح نہیں یا ان کی ترتیب غلط ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم فاطمی کے حالات سے تو اتنا تجاہل ہے کہ مولانا غلام رسول مہر نے پوری تحریک جہاد کی تاریخ دو ڈھائی ہزار صفحوں میں لکھی مگر شاہ عبدالرحیم صاحب کے حالات میں انہیں دو پیراگراف بھی نہیں مل سکے۔

جناب عبدالرحمٰن کوندو نے حال ہی میں ایک قابل ستائش کام کیا ہے کہ حضرت محدث کشمیریؒ کے

حالات وکمالات پر ساڑھے سات سوصفحات کی کتاب ''الانور'' مرتب کردی ہے۔اس میں حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کی وہ اثر انگیز تقریر بھی شامل ہے جوانہوں نے حضرت کشمیریؒ کی وفات پر منعقد ہونے والے تعزیتی جلسے میں دہلی کی جامع مسجد میں کی تھی۔

انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا: ''حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے بعد جس خاندان کو خدمت حدیث کا شرف حاصل ہے وہ شاہ عبدالرحیم کا خاندان ہے۔اسی خاندان کے بزرگوں میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ عبدالقادر صاحب، شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ یہ تمام حضرات اسی مبارک خاندان کے افراد ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے لوگوں کو جس طرح علم ظاہر اور علم باطن میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے خاندان سے منسوب کیا جاتا ہے وہ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی اور میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی کی تعلیم کا خلاصہ ہے۔(الانور،ص:۴۱۳،۴۱۴)

اس تقریر کے آخری جملوں سے بھی یہ متبادر ہوتا ہے۔

''شاہ صاحب نے جو کچھ کابراً عن کابر شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور میاں جی نور محمد صاحب سے حاصل کیا تھا اس کے بیان کو دفتر کے دفتر ناکافی ہیں۔''(انور،ص:۴۲۵)

اس سے ظاہر ہے کہ میاں جی نور محمد سے پہلے شجرے میں شاہ عبدالرحیمؒ کا جو نام آرہا ہے اسے حضرت مولانا احمد سعید بھی سمجھ رہے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم فاروقی دہلوی مراد ہیں۔اسی طرح حال ہی میں ایک کتاب تسلسلات امدادیہ شائع ہوئی ہے، جس کے سرورق پر لکھا ہے ''سلاسل اربعہ کا ایک محققانہ جامع جائزہ'' اور اس کے مصنف ڈاکٹر ماجد علی خاں پی ایچ ڈی علیگ ہیں۔ اس کے ساتھ بعض اکابر ملت کی تقریظیں بھی ابتداء میں درج کی گئی ہیں، لیکن اس محققانہ جائزہ کا بھی یہ حال ہے کہ لکھتے ہیں:

''بیعت کے بعد جب آپ (یعنی شاہ عبدالرحیم شہید) سہارنپور واپس تشریف لائے تو آپ نے ان کے ہاتھ پر بیعت جہاد طریقت کی اور سلسلہ نقشبندیہ میں اجازت حاصل کی۔''(تسلسلات امدادیہ،ص:۸۰)

یہ تفصیلات میں جانے کا وقت نہیں ہے، مختصراً یہ عرض کردوں کہ شاہ عبدالہادی صاحب کے انتقال اور حضرت سید احمد شہید کی سہارنپور میں تشریف آوری کے درمیان صرف ۵۴ سال کا وقفہ ہے اور شہادت کے وقت حضرت شاہ عبدالرحیم کی کل عمر اتنی بھی نہیں تھی۔

خلاصۂ کلام

حضرت کشمیریؒ کی خصوصیات کو اگر ایجاز کے ساتھ بیان کرنا ہوتو کہا جاسکتا ہے کہ خدا نے انہیں عجیب جامعیت عطا فرمائی تھی۔ ان کی شخصیت اور سیرت بوقلموں ہے، جن میں صد ہا رنگ ہیں اور ہر رنگ کی چھینٹ دوسرے پر اس طرح پڑ رہی ہے کہ وہ اس کے سہارے سے اور نکھر رہا ہے۔ پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ وہ جامع شریعت وطریقت یعنی فقیہ صوفی تھے۔ دوسرا امتیاز یہ ہے کہ ان کے صدق واخلاص کی وجہ سے اللہ نے ان کے علم میں بڑی خیر وبرکت عطا فرمائی تھی۔ انہیں مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، مولانا بدر عالم، مولانا محمد انوری، مولانا محمد شفیع صاحب، مولانا محمد ادریس صاحب، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا محمد میاں، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور شاہ وصی اللہ ایسے ایسے تلامذہ ملے جو بجائے خود ایک ایک ادارہ ہیں اور جنہوں نے مجلس علمی اور ندوۃ المصنفین جیسے ادارے قائم کر کے اسلامی علوم ومعارف میں مضامین نو کے انبار لگادیئے ہیں۔ یہ سب دراصل حضرت کشمیری کی للّٰہیت کا پرتو ہے۔ تیسرا امتیاز شاہ صاحب کا حسن قبول ہے کہ زندگی میں بھی وہ محبوب ومحترم رہے۔ چنانچہ آج بھی اس شمع انور کے پروانے اس کے نام پر کھنچ کر چلے آئے ہیں۔ چوتھی بات یہ کہ شاہ صاحب نے قادیانی فتنہ کے خلاف بھرپور جہاد بالتعلیم کیا۔ پانچویں یہ کہ وہ خود بھی حامئ شریعت اور متبع سنت تھے اور تلامذہ کی اخلاقی اور روحانی تربیت اور تزکیۂ نفس پر ہر وقت نظر رکھتے تھے۔ چھٹی یہ کہ اعلیٰ درجے کے صوفیانہ اخلاق یعنی تعلیم وتوکل، صبر ورضا، استقامت، تواضع، حلم، سادگی، انکسار وغیرہ ان کی سیرت کے بنیادی عناصر ہیں اور ان کی زندگی دوسروں کے لئے مثل اعلیٰ بن گئی ہے۔ آخری امتیاز یہ کہ وہ ہمارے دور کے علمائے شرع میں نہایت قوی روحانی نسبت کے مالک تھے اور یہ خالص چشتی نسبت تھی جس کا ایک اجمالی بیان مقالے کا اصلی موضوع ہے۔

❀ .... ❀ .... ❀

اسبابِ ظاہرہ کی طرح اسبابِ باطنہ بھی مؤثر

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ
سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

سارا عالم باجزائـــہ اختلاف کا مجموعہ ہے۔ اس کے ہر جز و کو دیکھتے ہیں تو طبعی میلان واقتضا آت میں ایک دوسرے سے مخالف ہے۔ عناصر کو دیکھئے تو ان میں سے ایک اگر اپنے مرکز کی تلاش میں بالطبع زمین کے اندر گھسا جاتا ہے تو دوسرا آسمان کی طرف پرواز کرتا نظر آتا ہے، اسی طرح تمام اجناس اوران کے انواع وافراد پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نوع کے اندر اگر وحشیانہ حرکات درندگی وخوں خواری، ایذا وتکلیف رسانی خلقۃً ودیعت رکھی گئی ہے اور یہ افعال اس سے بلاقصد وبلا اختصار صادر ہوتے ہیں۔ تو دوسری نوع بالطبع مسکنت، سلامت، نرمی، اوراطاعت کی طرف مائل ہے۔ انسان اشرف المخلوقات اور خلیفۂ خالق کائنات ہے، اس کو خیال کرتے ہیں تو ان تمام اختلافات وتنوعات کا ـــــ جو عالم کے اجزاء میں جدا جدا پائے جاتے ہیں ـــــ مجموعہ نظر آتا ہے۔ ان میں سے ایک اگر رحم مجسم، اخلاق کی تصویر، تواضع ومسکنت، ہمدردی بنی نوع کا مجسمہ ہے، تو دوسرا اس کا رفیق بلکہ حقیقی بھائی وحشت وخونخواری غیظ وغضب کا سرچشمہ معلوم ہوتا ہے، جس میں ہمدردی کا پتہ نہیں ہے۔ جو دوسروں کو فنا کردینا اپنے بقا کی علت اوراس کی تکلیف کو اپنی راحت کا سبب سمجھتا ہے۔ اس اختلاف ومخالفت اطوار افعال اور مغائرت اخلاق وصفات کی صورت میں عالم کا اس نظام وتربیت کے ساتھ باقی رہنا ممکن تھا اور ضروری بات تھی کہ قوی کے ہاتھ سے ضعیف فنا ہوجاتا اور پھر تدریجاً ہر فرد دوسرے کی ہلاکی کو اپنا اولین فرض سمجھتا ہے۔

لیکن خداوند عالم جل جلالہٗ نے جس طرح اجسام کے اندر دو قوتیں جاذبہ اور دافعہ پیدا فرما کر ان کے اتصال وانفصال اور تلاصق وتباین کو ایک نظام اور ایک ضابطہ میں داخل فرمایا ہے، اسی طرح مجموعۂ عالم کو دو قوتیں یا دو صفتیں عطا فرمائی ہیں، جن میں سے ایک قوت یا صفت کو ہم رحمت وشفقت، تربیت وہمدردی سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسرے کا نام غضب وانتقام، تحفظ ودفع مضرت وغیرہ رکھتے ہیں۔

یہ دونوں قوتیں یا صفتیں عالم کی ہرایک نوع اوراس کے افراد میں برابر موجود ہیں۔ کوئی فرد ان سے خالی نہیں ہے۔ وحشی، جاہل یا مہذب انسان، پالتو جانوراور موذی درندہ سب ان میں حصہ دار ہیں۔

ہرایک ذی روح ایک قوت یا صفت سے ہمدردی اور شفقت کا معاملہ کرتا ہے تو دوسری قوت یا صفت سے اپنی جان ومال، عزت وآبرو کی حفاظت کرتا ہے۔ انھیں دونوں حالتوں پر عالم کی بقاء کا مدار ہے۔ صفت رحمت و ہمدردی کے محمود عام ہونے کے لئے کسی دلیل کے پیش کرنے کی حاجت معلوم نہیں ہوتی۔ غالبًا کوئی ادنیٰ ذی عقل بھی اس کے سمجھنے سے قاصر نہیں ہے۔ تاہم بطور استشہاد ایک حدیث کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جو بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

قال سمعتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول جعل الله ورحمة فی مائة جزءٍ فامسك عنده تسعة وتسعين جزءً وانزل فی الارض جزءً واحدً فمن ذالك الجزء يتراحم الخلق حتى ترفع الفرس حافرها عن ولدها خشية ان تصيبه. (بخاری، ج۲،ص:۷۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سوحصوں پر منقسم کر کے ننانوے (۹۹) حصے اپنے پاس رکھ لئے اور ایک حصہ زمین پر اتار دیا جس کی وجہ سے تمام مخلوقات آپس میں رحمت وشفقت کا معاملہ کرتے ہیں یہاں تک کہ چلتے چلتے گھوڑا اپنے سُم کو اس لئے اٹھا لیتا ہے کہ بچے کے اوپر نہ پڑ جائے۔“

البتہ صفت غضب وانتقام کے محمود یا ضروری یا ماً مور بہ پسندیدۂ خداوندی ہونے میں کسی کو کلام ہو تو ہو، کیوں کہ ظاہر طور پر اتلاف نفس، ایذا رسانی وحشیانہ فعل اور ظالمانہ حرکت معلوم ہوتی ہے، اس لئے مجھے یہ بتلا دینا ضروری معلوم ہوا کہ عقل ونقل کی رو سے اس قوت کا وجود بھی ایسا ہی لازم اور واجب ہے جیسا صفتِ اول کا۔

عالم میں کوئی ذی روح عناصر کی ترکیب سے خالی نہیں ہے اور اسی لئے ہرایک میں ہرایک عنصر کی صفات خاصّہ اور ان کی تاثیرات کا موجود ہونا لازم ہے۔ جس کے اندر رحمت وشفقت، عدل وکرم وعفو، اطاعت وانقیاد کا مادہ ہے۔ اسی میں ظلم وستم، غیظ وغضب کفران نعمت وسرکشی انتقام وغیرہ اوصاف بھی موجود ہیں۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ کسی میں اول صفات کا غلبہ ہے۔ اور کسی میں دوسرے اوصاف کا، لیکن ایک وصف کا غلبہ دوسرے کو فنا نہیں کر دیتا، اس لئے ہرایک سے دونوں قسم کے افعال صادر ہوسکتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ غیظ وغضب، انتقام ومدافعت وغیرہ مذموم ہی ہوں تو ستم وتعدی سے محفوظ رہنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے اور اس طرح پر دنیا میں امن وامان عدل وانصاف کے قائم رہنے بلکہ سلسلۂ حیات کی بقاء کی کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی۔ عرب جیسے ملک میں بھی جہاں نہ کسی شریعت پر عمل درآمد تھا اور نہ کوئی قانون نافذ۔ اس عقلی کلیہ کو صحیح مانتے تھے۔ اور ان کے یہاں: اَلْقَتْلُ اَنْفٰی لِلْقَتْلِ قتل سے بہتر قتل کو روکنے والی کوئی چیز نہیں، کا قاعدہ مسلم تھا۔

یہ تو عقلی طرز کا استدلال ہے۔ لیکن ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ شریعت نے بھی اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے یا نہیں۔ شریعت کا عام اور واجب الاذعان فرمان ہے: وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا اُولِي الْاَلْبَابِ تمہارے لئے قصاص یعنی خون کے بدلے خون اور زخم کے بدلے زخم میں بہت بڑی زندگی ہے۔

یعنی عالم کی حیات اسی میں ہے کہ ہر ایک کو اس کی تعدی وظلم کی پاداش (سزا) قصاص کی صورت میں دی جائے۔ اس کے علاوہ کلام الٰہی کی بہت سی آیات میں اس حکم کی تائید وتصریح موجود ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے: وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأسٌ شَدِيْدٌ وَمَنَافِعُ لِلْنَاسِ.

ہم نے لوہے کو اتارا ہے، اس میں سخت رعب ہے اور لوگوں کے بہت سے نفع ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ لوہے یعنی تلوار وغیرہ اسلحہ کے استعمال کی لوگوں کو مرعوب کرنے اور ان کے منافع کے لحاظ سے اجازت ہے۔

دوسرے موقع میں ارشاد ہے: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْفَضْلٍ عَلٰى الْعٰلَمِيْنَ.

اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے شر کو بعض دوسروں کے ذریعہ دفع نہ کرتا تو زمین فساد سے بھر جاتی لیکن اللہ تعالیٰ اہل عالم پر فضل کرنے والا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم نے اپنی حکمت وفضل عظیم سے یہ انتظام فرمادیا ہے کہ مخلوق ہی آپس میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں کھڑی ہوکر مظلوم کو ظالم کے پنجہ سے رہائی دلواتی ہے، ظالم کو اس کے کیفر کردار تک کو پہونچا دیتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین فساد سے لبریز ہوجاتی۔ سارا نظام درہم برہم ہوجاتا۔ اسی مضمون کو دوسرے موقع پر ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوٰتٌ وَمَسَاجِدُ يَذْكُرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهُ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ.

اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو، ایک کو ایک سے تو عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نماز پڑھی جاتی ہے اللہ کی بہت۔ اور اللہ مقرر مدد کرے گا اس کو، جو مدد کرے گا اس کی، بے شک اللہ زبردست ہے، زور والا۔

ان دونوں آیتوں سے صاف ثابت ہے کہ دنیا میں سلسلۂ مدافعت وانتقام جاری نہ ہوتا تو عالم فساد سے لبریز ہوجاتا۔ زمین کو پاک صاف کرنے، مساجد ومعابد کو محفوظ رکھنے کی صورت یہی ہے کہ لوگوں کو افعال قبیحہ، ظلم وتعدی سے دور رکھا جائے اور ایک جماعت خدمت مدافعت کی انجام دہی کرتی رہے۔

الغرض کلامِ الٰہی کی بے شمار شہادتوں سے یہ امر توروز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ ضرورت کے وقت انتقام ومدافعت ہی لازمی ہیں۔ اور وہ پسندیدۂ خداوندی عام اور محمود ومستحسن ہیں۔ کسی وقت وہ بھی ایسے ہی فرض ہوجاتا ہے جیسے نماز وروزہ وغیرہ طاعات۔ اس بارہ میں اس سے زیادہ اور بیان کرنے کی حاجت وضرورت باقی نہیں رہی۔ لیکن ان دونوں آیتوں کے اندر صورت مدافعت اور امر مدفوع کی تعیین وتشخیص میں مفسرین نے کچھ اختلاف کیا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہم تفسیر آیت کے متعلق بھی کچھ عرض کرتے جائیں، جس سے اصل مقصد میں بھی اور زیادہ وضاحت ہوجائے مگر نفس مطلب عرض کرنے سے قبل چند مقدمات بطور تمہید بیان کردینے مناسب ہیں:

(۱) انسان کے اندر دو قوتیں پیدا کی گئی ہیں۔ ایک نیکی جو اطاعت وانقیاد کی طرف بلاتی اور مخلوق کی گردن خالق کے سامنے جھکاتی ہے۔ اسی قوت کے غلبہ سے اچھے افعال صادر ہوتے ہیں اور انسان فرائض وحقوقِ خداوندی کی ادائیگی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ دنیا غفلت وذہول کا گھر ہے۔ لذائذ ونعم یا تکالیف ومحن میں مبتلا ہو کر آدمی پر بہیمیت کا غلبہ ہوجاتا ہے اور وہ بالکل: اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا اور يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ. ''نہیں ہیں وہ مگر چوپائے بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں۔ کھاتے ہیں وہ اس طرح جس طرح چوپائے کھاتے ہیں'' کا مصداق بن جاتا ہے۔ اس کی حیات کا ثمرہ صرف یہ ہوتا ہے کہ کھانے، پینے، لڑنے جھگڑنے میں بسر اوقات کرے۔ کوئی تکلیف پیش آئے تو جانوروں کی طرح تھوڑی دیر تک ہائے وائے کرکے موت کا نوالہ بن جائے یا بھلا چنگا ہو کر اٹھ بیٹھے۔ مگر ان کے اسباب وقوعی یا تدابیر دفعی کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اس کا خیال نہ کبھی اپنے مبدأ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ معاد کی فکر اس کو دامن گیر ہوتی ہے۔ یہ اپنی اس حالت میں خدا کو بھلائے ہوئے بالکل آزادانہ وبیباکانہ زندگی بسر کرتا ہے۔ یا تو ہم پرستی میں مبتلا ہو کر ایک کی جگہ ہزار معبود بنالیتا ہے اور کبھی اپنے اصلی مالک وخالق کی طرف رجوع نہیں کرتا بلکہ جہاں تک ہوسکتا ہے اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ یہ حالت اور کیفیت جس قدر پھیلتی جاتی ہے، دنیا فساد سے لبریز ہوتی جاتی ہے۔

(۲) انسان اصل فطرت سے مدنی الطبع واقع ہوا ہے۔ وہ تنہا رہ کر زندگی بسر نہیں کرسکتا ایک آدمی کے پیچھے جس قدر حاجتیں لگی ہوئی ہیں وہ تنہا اس سے پوری نہیں ہوسکتیں۔ اس کو کھانے کی بھی ضرورت ہے، لباس کی بھی حاجت ہے، رہنے کے لئے مکان بھی لازمی ہے۔ علیٰ ہذا اور بہت سی قسم کی حاجتیں ہیں۔ اور یہ تمام حوائج تقسیم خدمات کے اصول پر پوری ہوتی ہیں۔ ایک کھیتی کرتا ہے، دوسرا کپڑا بنتا، تیسرا بنا کر تیار کرتا ہے، کوئی صنعت وحرفت جانتا ہے اور اس طرح ایک شخص کے حوائج زندگی پورا کرنے کے لئے بیسیوں آدمیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ فرداً فرداً ہرا یک کی یہی حالت ہے اور اسی لئے اس کو جتھے کے اندر ملا جلا رہنا ضروری اور لازمی ہو گیا۔

لیکن جب خدمتیں تقسیم ہوئیں اور ہر ایک شخص اپنی خدمت ادا کرنے میں دوسرے سے علیحدہ اور منفرد ہوا اور اس کی زندگی کا مدار اسی خدمت پر رکھا گیا۔ ادھر ان کی حاجتیں اپنی کمیت وکیفیت کے اعتبار سے کم وبیش ہوتی گئیں تو ان میں املاک وحقوق کا اشتراک وانفراد بھی جاری ہوا۔ جس کا نتیجہ لازمی طور پر منازعت ومخاصمت ہے۔ جو دلوں سے زبان تک اور زبان سے ہاتھ پیر تک اور بالآخر قتل وقتال تک پہنچ جاتی ہے اور جس کے نتیجہ میں یہ ہوسکتا ہے کہ ایک دم میں زمین فساد واختلاف سے بھر جائے۔ اور آن کی آن میں دنیا فنا ہو جائے۔

(۳) تاثیرات دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک ظاہری اور محسوس، دوسری باطنی اور غیر محسوس، ظاہری اور محسوس تاثیرات سے تو تمام اہل عقل واقف ہیں، ہر ایک شخص جانتا ہے کہ تلوار کی تاثیر کاٹ ڈالنا، پانی کا اثر سیراب کرنا، آگ کی تاثیر جلا ڈالنا، کپڑے کا اثر گرمی سردی سے محفوظ ہو جانا ہے۔ اور روٹی کھانے کا نتیجہ بھوک کے عذاب سے نجات پانا ہے۔

لیکن باطنی اثرات اور نتائج تک ظاہر پرست عقول کی رسائی نہیں ہوتی۔ ان کا خیال اس طرف رجوع نہیں ہوتا کہ خالق کائنات نے اشیاء کے اندر باطنی علاقے بھی پیدا فرمائے ہیں۔ اور وہ اسباب اگر چہ غیر محسوس ہیں مگر قوت میں ان اسباب ظاہرہ سے کم نہیں، زیادہ کہہ دیا جائے تو درست ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو قیاما للناس یعنی سبب بقاء عالم فرمایا ہے۔ لیکن سببیت کسی ظاہری علاقہ کی بنا ء پر نہیں ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے:

مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَبْسُطَ لَهُ فِي رِزْقِه وَيُنْسَأ لَهُ فِي اَثَرِهٖ فَلْيَصِل رَحِمَه.

جو شخص اپنے رزق کی وسعت اور عمر کی درازی چاہتا ہے اس کو صلہ رحمی کرنا چاہئے۔

دوسری حدیث ہے: **وَلَا يزيد فى الحمر الاالبروان الرجل ليحرم الرز بالذنب يصيبه.**

درازی عمر برّ والدین سے ہوتی ہے۔ آدمی گناہ کرکے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ صلہ رحمی اور برّ والدین کا درازی عمر اور وسعتِ رزق کے لئے سبب ہونا اسبابِ ظاہرہ میں سے نہیں ہے۔ اور گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جانا بھی باطنی علاقہ کا پتہ دیتا ہے۔

علیٰ ہٰذا، کثرتِ معاصی سے قحط اور وباء کا پھیل جانا، اور عالم کا مبتلاء مصائب وآلام ہو جانا اور طاعت وعبادات تقویٰ وطہارت اخلاص وللّٰہیت کی وجہ سے خیر وبرکت کا ظہور پذیر ہو جانا، یہ سب امور ایسے ہیں جو باطنی اسباب کے مؤثر قوی ہونے کا علی الاعلان ثبوت دیتے ہیں۔

اسباب ظاہرہ وباطنہ کی قوتوں کا موازنہ مقابلے اور معارضے کے وقت بخوبی ہوسکتا ہے اور حقیقت شناس اور کنہ رس بخوبی یقین کرسکتا ہے کہ اسباب باطنہ میں جو قوت مضمرہ ہے وہ اسبابِ ظاہرہ میں نہیں ہے۔

ایک حدیث میں وارد ہے : **لاتقوم الساعة الا علی شرار الخلق .**

قیامت قائم نہ ہوگی مگر بدترین مخلوقات پر۔

اوردوسری حدیث میں ہے : **لاتقوم الساعة حتیٰ یقال فی الارض اللّٰه اللّٰه.**

قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک زمین پر لفظ اللہ اللہ کہنے والا باقی ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہے کہ جس طرح گناہوں کا ارتکاب عالم کی تباہی اور خرابی کا سبب ہے، اسی طرح طاعت وعبادت آبادی دنیا اور سرسبزی کا موجب ہے۔

لفظ اللہ کی یہ خیر وبرکت ہے کہ جب تک ایک شخص بھی اس مبارک نام کا تلفظ کرنے اور اپنے خدائے برتر کا یاد کرنے والا موجود ہے یہ ہولناک منظر اور یہ ہیبت ناک حالت جس میں زمین وآسمان کاغذ کا پرزہ کی طرح لپیٹ کر رکھ دیئے جائیں گے۔ اور جس کی شدت وسختی بچہ کو بوڑھا بنادے گی۔ جس کو قیامت کبریٰ اور **استخیز** کے ہولناک الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے پیش نہ آئے گا۔ پھر اب فرمائیے کہ عالم اور اس کے تمام اجزاء اسباب ومسببات سب کے سب موجود مگر اسباب ظاہری کا کونسا جزو ہے جو کم ہوگیا، اس کا جواب نفی میں ملے گا۔ اگر کم ہوا ہے تو صرف ایک جزو خیریت، اعمال صالحہ بابرکت لفظ (اللہ) یہ باطنی اسباب اس نظام کو سنبھالے ہوئے تھے اور جب یہ نہ رہے تو نظامِ عالم سب درہم ورہم ہوگیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسبابِ ظاہرہ میں وہ قوت نہیں جو اسباب باطنہ میں ہے۔

الغرض اسباب ظاہرہ کی طرح اسبابِ باطنہ کی تاثیر بھی ثابت ہے اس کی تسلیم میں کسی ملّا یا کم عقل ظاہر پرست کو تامل ہو تو ہو مگر ایک عقل سلیم کا تابع جس کا باطن نورِ ایمان سے منور ہو چکا ہے کبھی انکار نہیں کرسکتا۔

❀ .... ❀ .... ❀

پاکیزہ روحوں کی آخری آرام گاہ

جنّت البقیع

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر
استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

مذاہب عالم میں جہاں مقدس شخصیات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے وہیں بعض مقامات اور بلاد بھی اہم خصوصیات اور امتیاز کے حامل ہوتے ہیں، اس لحاظ سے جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو دنیا کے مذاہب میں اشخاص ورجال کے بعد کچھ مخصوص جگہیں اپنی منفرد نوعیت رکھتی ہیں۔

ان کے علاوہ دنیا کے دیگر مذاہب کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان کے یہاں بھی جگہوں اور مقامات کو ایک خاص نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ان کی نگاہوں میں ان کی پاکیزگی، ان کے عقائد کا ایک حصہ اور ان کے دین کا ایک جزو ہے اور پھر بے شمار انسانی آبادیاں وہ ہیں جہاں اپنی تاریخی قدامت کی بناء پر کچھ جگہوں کو تہذیب وتمدن کا اثاثہ سمجھا جاتا ہے۔

ہمارے سامنے چوں کہ دائرۂ گفتگو اسلام سے متعلق ہے، اس لئے اسلامی نقطۂ نظر سے مکہ مکرمہ کے بعد مدینہ منورہ کو قیام گاہ رسول ﷺ اور مدفنِ رسول ﷺ کی بناء پر ہر مسلمان کی نگاہ میں اس کی بڑی عظمت ہے، وہاں روضۂ رسول ﷺ پر حاضری اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت اس کی آرزو ہوتی ہے، ہم مدینہ منورہ کے اس خطۂ صالحین کا جو جنت البقیع کے نام سے معلوم ومتعارف ہے ذکر کرنا چاہتے ہیں، یہ وہ مقام ہے جو جوارِ رسول ﷺ میں واقع اور چند قدم کے فاصلہ پر ہے، یہ وہ خطہ ہے جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت مدفون ہے گویا دوسرے عنوان سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرنِ اول کے وہ لعل وگوہر اس میں تہہ خاک دفن ہیں جن کی روشنی آج چودہ سو برس بعد بھی اپنی آب وتاب سے امت مسلمہ کو فیضیاب کر رہی ہے۔

ایک جنت البقیع پر ہی کیا موقوف ہے اگر دیکھا جائے تو وہ دوسری بہت سی جگہوں اور چیزوں کو مقام شرف اس لئے حاصل ہوا کہ وہاں نبی آخر الزماں ﷺ کے قدم مبارک پڑے، ل مساجد اللہ کا گھر ہیں مگر ان مسجدوں کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ کیا جاتا ہے جہاں تاجدار مدینہ نے نماز ادا فرمائی، ایسے ہی دنیا میں کنوؤں کی کمی نہیں مگر وہ کنویں جہاں سے رسالت مآب ﷺ نے پانی نوش فرمایا، ان کے پانی سے وضو کیا یا ان میں لعاب مبارک ڈالا وہ بھی تقدیس کے ساتھ یاد کئے جاتے اور احترام کے ساتھ ان کا نام لیا جاتا ہے، کچھ ایسی ہی نوعیت اس حجرۂ مبارک کی ہے جو حضور اکرم ﷺ کی خواب گاہ اور بعد وصال آپ کی آخری آرام گاہ بنا، وہ منبر شریف جہاں جلوہ گر ہو کر رحمۃ للعالمین خطبہ دیا کرتے تھے وہ بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک قابل احترام تھا۔

تاہم جنت البقیع کی تاریخ، اس کی عظمت، اس کی خصوصیات اور اس کے فضائل جو احادیث میں آئے ہیں ان کا بڑا حصہ اور بہت سے گوشے ایسے ہیں جن سے عام طور پر لوگ ناواقف ہیں، اس شہر خموشاں کے تقدس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آسمانی کتاب تورات بھی اس کے تذکرے سے خالی نہیں، اسلام کی آمد سے قبل بھی یہ مقام اپنی قدامت اور عظمت کی بنا پر روایات کے مطابق ملائکہ کا مستقر رہا، اس کی بزرگی وفضیلت کا متعدد مقامات پر لسانِ نبوت سے اظہار ہوا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

''اس قبرستان سے قیامت کے دن ستر ہزار افراد اٹھیں گے جن کے چہرے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے، وہ بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔''

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جسے جنت البقیع میں دفن ہونا نصیب ہو گیا میں اس کے لئے قیامت کے دن شفاعت کروں گا اور گواہی دوں گا۔''

ابن زبالہ عبدالملک سے روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ:

''دو ایسے قبرستان ہیں جن کی روشنی آسمان والوں کے لئے بالکل ایسی ہی ہے جیسے زمین والوں کے لئے سورج اور چاند منور ہیں، ایک مدینہ منورہ کا قبرستان اور دوسرا عسقلان۔''

یہ قبرستان مسجد نبوی ﷺ کے قریب ہی مشرقی جانب ہے، اس کے چاروں طرف سات فٹ اونچی دیوار کا احاطہ کیا گیا ہے، اس کے دروازے جو سر شام بند کر دیئے جاتے ہیں یہ اپنے طول میں ۴۹۲ فٹ اور

عرض میں ۳۳۰ فٹ ہے، ببول کے درختوں کی کثرت کی بناء پر اس کو''بقیع الغرقد'' بھی کہا جاتا ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ:

''دس ہزار سے زیادہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہاں مدفون ہیں۔''

امتدادِ زمانہ کے باعث جنت البقیع میں راحت گزیں اللہ کے بزرگ بندوں کی قبروں کا پتہ لگانا مشکل ہے تاہم اسلام کی چند نامور ہستیاں اور عظیم انسان جو یہاں محو استراحت ہیں ان کے نام کچھ اس طرح ہیں:

جنت البقیع میں سب سے پہلے دفن ہونے والے سیدنا حضرت عثمان بن مظعونؓ ہیں، پھر ترتیب وار صاحبزادۂ رسول حضرت ابرہیمؓ ہیں جو دو ماہ دس دن اس عالم ہست و نابود میں گزار کر راہی عالم بقا ہو گئے۔ صاحبزادیوں میں حضرت رقیہؓ اور حضرت فاطمہؓ ہیں، حضرت حسنؓ، حضرت عباسؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت ابوسفیان بن الحارثؓ، خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ، حضرت سعد بن معاذؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت امام مالکؒ وغیرہ اور امہات المومنین میں حضرت زینبؓ، حضرت سودہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمیٰؓ، حضرت زینب بنت جحشؓ یہاں دفن ہیں۔

جنت البقیع کی حیثیت عام قبرستانوں سے بالکل الگ ہے، اس کی نوعیت صرف تاریخی ہی نہیں بلکہ اسے دیگر مقابر کے مقابلہ میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے، ایک پہلو سے دیکھئے کہ دس ہزار صحابہ کرامؓ اس جگہ محو استراحت ہیں جس کی نظر کوئی دوسرا قبرستان پیش نہیں کر سکتا، پھر صحابہ کرامؓ کے بعد حضور ﷺ کی ازواجِ مطہراتؓ، آپ کے صاحبزادہ اور صاحبزادیاں اس خطہ میں قیامت تک آرام فرما ہیں۔ پھر یہ مبارک قبرستان ہے جس سے تھوڑے فاصلہ پر خود روضہ نبوی ﷺ ہے۔

جنت البقیع کے جو فضائل اور خصوصیات ماقبل میں بیان کی گئی ہیں ان کی بنیاد پر ہر بندۂ مومن یہ تمنا دل میں بسائے ہوئے ہے کہ زندگی کے آخری لمحات اس مقدس شہر میں گزارے اور اس کا جسم جنت البقیع کے آغوش میں تا حشر پیوند خاک ہو۔

❀ .... ❀ .... ❀

گستاخانہ خاکے

اور عالم اسلام کی ذمہ داری

مولانا محمد زبیر صاحب
معاون مدیر ''الخیر''

ہالینڈ کی اپوزیشن جماعت ڈچ پارٹی فارفریڈم کے سربراہ گیرٹ والڈرز نے کائنات کی سب سے مقدس ہستی حضرت محمد ﷺ کی گستاخی پر مشتمل خاکوں کا ایک مقابلہ منعقد کرانے کا اعلان کیا، جس پر دنیا بھر کے مسلمانوں کی طرف سے شدید احتجاج اور ردعمل سامنے آیا، ملعون گیرٹ والڈرز کو جان سے مارنے کی دھمکیاں دی گئیں اور افغان طالبان کی طرف سے افغانستان میں موجود ڈچ افواج پر حملے تیز کرنے کا اعلان کیا گیا، چنانچہ فی الحال یہ مقابلہ ملتوی کر دیا گیا ہے۔

لیکن کیا ایسا پہلی بار ہوا ہے؟ یا آخری بار ہوا ہے؟ کیا مستقبل میں مغرب کی طرف سے ان قبیح حرکتوں اور شنیع کاموں کے نہ ہونے کی کوئی گارنٹی دی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں! خود اسی ملعون گیرٹ والڈرز کی بات کی جائے تو یہ بدبخت پہلے بھی کئی مرتبہ مسلمانوں کے جذبات مجروح کر چکا ہے، اپنی انتخابی مہم کے دوران بھی یہ بدبخت بار بار مسلمانوں اور اسلام کے خلاف زہر افشانی کرتا رہا ہے اور بدنام زمانہ فلم ''فتنہ'' کو ڈائریکٹ اور پرڈیوس کرنے والا بھی یہی ملعون ہے، اس کی ان حرکتوں کی وجہ سے اس کے خلاف قتل کے فتوے پہلے بھی دیئے جاتے رہے ہیں اور اس کے اپنے رسالے انسپائر میگزین میں شائع شدہ ایک لسٹ کے مطابق اس کا نام القاعدہ کی ہٹ لسٹ میں شامل ہے، اس سب کے باوجود جب یہ ازلی بدبخت اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا اور خاکوں کا مقابلہ منعقد کرانے کا اعلان کر دیا تو اب بھی ہمیں اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہئے کہ آئندہ اس کی طرف سے ایسی خباثت کا ارتکاب نہیں ہوگا۔

ڈچ گورنمنٹ کو بھی اس قضیے سے بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا کیوں کہ حکومتی سیکورٹی اداروں نے اس مقابلے کے لئے سیکورٹی کلیرنس دے کر از خود اس بات کا ثبوت فراہم کیا ہے کہ یہ مقابلہ حکومتی اداروں کی رضامندی اور شہ سے منعقد کیا جارہا تھا۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ مغربی حکومتیں اور میڈیا اس معاملے کی حساسیت سے بے خبر ہیں جیسا کہ ہمارے بعض سادہ لوح مسلمانوں کا خیال ہے بلکہ انہیں اس معاملہ کی حساسیت اور نزاکت کا مکمل ادراک ہے اور وہ جانتے بوجھتے ہوئے اور ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس معاملے میں دو قدم آگے بڑھا کر ایک قدم پیچھے ہٹنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔

ایسے میں عالم اسلام کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ عالم اسلام کو اس سنگین معاملے پر فوری ایکشن لینے کی ضرورت ہے، بڑے اور طاقت ور اسلامی ممالک کو آگے بڑھ کر یہ معاملہ او آئی سی میں اٹھانا چاہئے اور تمام اسلامی ممالک کو مشترکہ حکمت عملی اپناتے ہوئے مغرب سے پوچھنا چاہئے کہ مسلمانوں کے لئے زندگی اور موت سے بھی بڑھ کے حیثیت کے حامل اس معاملے کے ذریعے مغرب کیوں بار بار مسلمانوں میں اشتعال انگیزی اور ہیجان خیزی پیدا کر رہا ہے؟ اور چوں کہ یہ حرکت کرنے والے چند سرپھرے افراد یا بے قابو ادارے نہیں بلکہ مغربی حکومتوں کی پشت پناہی و ہلّہ شیری کے ساتھ یہ کھیل کھیلا جارہا ہے اور مسلسل کھیلا جارہا ہے تو مغرب سے یہ سوال کرنا بنتا ہے کہ کیا آپ عالمِ اسلام کے ساتھ جنگ چاہتے ہیں؟ اس لئے کہ اگر توہین رسالت کا ارتکاب کوئی ایسی مضبوط جماعت کر رہی ہو جس کے پاس عسکری قوت موجود ہو یا چند ایسے افراد اس جرم کا ارتکاب کر رہے ہوں جنہیں حکومتی تائید حاصل ہو تو ایسے میں یہ محض ایک فوج داری جرم نہیں رہتا بلکہ جنگی اقدام بن جاتا ہے۔ اگر اسلامی دنیا او آئی سی کے پلیٹ فارم سے مغرب کو یہ باور کرادے کہ ہم ان حرکتوں کو جنگی اقدام کے طور پر لیں گے تو انشاء اللہ کسی مربی ملک کو آئندہ ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔

مغرب پر دباؤ ڈالنے کا ایک موثر ترین ذریعہ معاشی وسفارتی دباؤ بھی ہے، تمام مسلم ممالک کو متفقہ طور پر یہ اعلان کرنا چاہئے کہ جس ملک میں بھی کسی مقدس اسلامی شخصیت کی توہین کی جائے گی تمام اسلامی ممالک کے ساتھ ہر قسم کا تجارتی وسفارتی تعلق فوری طور پر ختم کرلیں گے، تمام باہمی معاہدات منسوخ کر دیئے جائیں گے اور تمام اسلامی ملکوں سے اس کے سفیروں کو بیک بنی دو گوش نکال باہر کیا جائے گا۔ یقین کیجئے! مہذب دنیا یہ تنہائی کبھی برداشت نہیں کر پائے گی۔

یہ بات معلوم ہے کہ مغربی ممالک کی معیشت وتجارت کا پہیہ مختلف اسلامی ممالک کے ساتھ ہونے والی تجارتی سرگرمیوں اور خصوصاً تیل کی دولت سے مالا مال اسلامی ممالک سے خریدے جانے والے تیل کی بدولت گردش میں ہے اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ دنیا و دولت کے پجاری یہ مغربی ممالک اپنا مالی و اقتصادی نقصان کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتے، لہٰذا اگر مسلم ممالک ہمت اور غیرت سے کام لیتے ہوئے مغرب کو یہ باور کرادیں کہ ناموسِ رسالت پر حملہ آور ملک سے درآمد کے تمام رشتے منقطع کر دیئے جائیں گے اور اسلامی ممالک اس ملک کو تیل فروخت بھی نہیں کریں گے اور نہ اس ملک کو تیل فروخت کرنے والے کسی اور ملک کو تیل فروخت کریں گے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ مغرب اس دباؤ کو برداشت کر سکے۔

مغرب اپنے اس خبثِ باطن کو جواز فراہم کرنے کے لئے آزادیٔ اظہار رائے کا سہارا لیتا ہے، چنانچہ حالیہ قضیے میں ہالینڈ کی حکومت کا بھی یہی کہنا تھا کہ ہم اس مقابلے کے حق میں نہیں ہیں لیکن اس مقابلے کو روک نہیں سکتے اس لئے کہ ہالینڈ میں لوگوں کو اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ عالم اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ مغرب کو یہ باور کرائے کہ اظہار رائے کی آزادی کی بھی کچھ حدود و قیود ہیں اور آزادیٔ اظہارِ رائے کے پُرفریب الفاظ کے ذریعے مذہبی مقدسات کی توہین کی اجازت قطعاً نہیں دی جاسکتی۔

عالمی دنیا کے منافقانہ طرزِ عمل اور دوہرے معیار کا اندازا اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہودیوں کے من گھڑت اور خانہ ساز مرگِ انبوہ (ہولوکاسٹ) پر بات کرنے اور اس پر تحقیق کرنے پر بعض مغربی ممالک میں پابندی عائد ہے۔ اگر کوئی شخص اس معاملے پر تحقیق کرنا چاہے تو اسے قید و جرمانے کی سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ آسٹرے، بیلجیم، فرانس، جرمنی اور سوئزر لینڈ سمیت تیرہ مغربی ممالک ایسے ہیں جن میں ہولوکاسٹ کا انکار جرم سمجھا جاتا ہے اور اب تک کئی علمی و سماجی شخصیات ہولوکاسٹ پر علمی نقد کرنے کی پاداش میں سزاؤں کا سامنا کر چکی ہیں مثلاً برطانوی مورخ ڈیوڈ اردنگ، فرانسیسی محقق راجر گارودی اور سوئس مورخ یورگن گراف چند وہ مشہور شخصیات ہیں جنہیں ہولوکاسٹ پر تنقید کے جرم میں مختلف سزائیں دی جاچکی ہیں۔ لہٰذا عالم اسلام کو چاہیئے کہ وہ مغرب کو اس بات پر مجبور کرے کہ جس طرح ہولوکاسٹ پر بات کرنا جرم ہے اور اس سے اظہار رائے کی آزادی متاثر نہیں ہوتی اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ مذہبی مقدسات کی توہین جرم ہے اور اس پر پابندی سے بھی اظہارِ رائے کی آزادی متاثر نہیں ہوتی۔

اسلامی ممالک کے حکمرانوں کو اتمام حجت کے لئے اقوام متحدہ میں بھی یہ مسئلہ ضرور اٹھانا چاہیئے لیکن یہ بات ان کے پیش نظر رہنی چاہیئے کہ اقوامِ متحدہ میں اس مسئلے کو اٹھانا اس مسئلے کا حل ہرگز نہیں ہے، اس

لئے کہ اس سے پہلے بھی بارہا یہ مسئلہ اقوام متحدہ میں اٹھایا جا چکا ہے، کئی قراردادیں منظور کی جا چکی ہیں لیکن وہ قراردادیں اقوامِ متحدہ کی الماریوں کی زینت بننے کے علاوہ کچھ کام نہیں آسکیں، لہٰذا اب جو بھی اقدام کرنا ہے وہ عالم اسلام کو اپنے بل پر کرنا ہے اور عالمی طاقتوں کے مفادات کے محافظ ادارے اقوام متحدہ پر اس سلسلے میں تکیہ کرنا آزمائے ہوئے کو بار بار آزمانے کے مترادف ہوگا، البتہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے اتمامِ حجت کی خاطر اقوام متحدہ میں اس مسئلے کو اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہ تو چند ایک بڑے کام تھے جو حکومتوں اور ریاستوں کے کرنے کے ہیں، اسلامی ممالک میں رہنے والے عوام کو بھی اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے جس کی بہترین صورت یہ ہے کہ وہ اپنے اپنے حکمرانوں پر قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے تحفظ ناموس رسالت کے سلسلے میں دباؤ بڑھائیں اور گستاخی کرنے والے ممالک کی مصنوعات کا منظّم اور بھرپور بائیکاٹ کریں۔

واضح رہے کہ حسبِ فحوائے آیت قرآنیہ "**انا كفيناك المستهزئين**" (حجر:۹۵)

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی حرمت و ناموس کی حفاظت اور آپ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے ملعونوں سے نمٹنے کے لئے کافی ہے۔

اگر ہم اس معاملے میں کوئی کردار ادا نہیں کریں گے تو "**يستبدل قوماً غيركم**" کا الٰہی قانون حرکت میں آئے گا اور کوئی اور گوئے سعادت لے جائے گا، لہٰذا ہر مسلمان کو اس سلسلے میں دامے درمے سخنے قدمے اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔

❀ .... ❀ .... ❀

ترکی پر امریکہ کا اقتصادی حملہ

مولانا سید عنایت اللہ ندوی

یہ امریکہ کی ہمیشہ سے پالیسی رہی ہے کہ عالم اسلام میں جب بھی کوئی شخصیت یا جماعت یا تنظیم کچھ ابھرتی ہے اور وہ کچھ کارہائے نمایاں انجام دینا چاہتی ہے تو امریکہ بہادر اس کا خاتمہ کر کے ہی دم لیتا ہے، اس کی بہت ساری مثالیں ہیں۔ سعودی عرب میں جب شاہ فیصل کا عروج ہوا اور انہوں نے فلسطینی عربوں کے لئے کچھ ٹھوس اقدامات کرنے شروع کئے اور عالم اسلام کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش کی تو ان کو خود ان ہی کے بھتیجے کے ذریعہ قتل کروادیا، پھر جب پاکستان میں جنرل ضیاء الحق نے انتہائی مومنانہ فراست کے ذریعہ روس کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا اور ان کی زبردست کوششوں سے افغان مجاہدین کو وقت کے سپر پاور روس کے مقابلہ میں بھرپور کامیابی حاصل ہوگئی، نیز پوری دنیا میں لوگوں نے ان کی قیادت کا لوہا مان لیا تو امریکہ نے خود جنرل ضیاء الحق کی سیکورٹی پر مامور لوگوں کو خرید کر ان کے ذریعہ سے ان کو ہلاک کروادیا۔

یہ تو شخصیات کا حال ہے، جماعتوں اور تنظیموں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو طالبان نے جب افغانستان میں مستحکم حکومت قائم کر لی، اسلامی فلاحی ریاست کا بہترین نمونہ پیش کیا اور اس کے اثرات وسط ایشیا کے ممالک میں پھیلنے لگے تو امریکہ نے طالبان پر جھوٹا الزام لگا کر افغانستان پر فوج کشی کر دی اور لاکھوں انسانوں کا قتل عام کر کے طالبان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا، اسی طرح مصر میں جب اخوانیوں کو انتخابات میں زبردست کامیابی حاصل ہوگئی اور اخوانیوں نے اقتدار ہاتھ میں لے کر عادلانہ نظام قائم کرنے کی کوشش شروع کر دی، تو امریکہ نے خلیجی ریاستوں کو ورغلا کر ان کے ذریعہ سے مصر کی فوجی قیادت کو بغاوت کرنے پر اکسایا اور اس طرح فوجی جنرل کے ذریعہ جمہوری منتخبہ حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

اب امریکہ کے نشانہ پر ترکی کے صدر رجب طیب اردگان ہیں، اردگان موجودہ دور میں عالم اسلام کے مدبر قائد بن کر ابھرے ہیں، انہوں نے ۲۰۰۲ء ترکی کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی اور ۱۶/سال سے مسلسل برسر اقتدار ہیں، اپنے دور اقتدار میں انہوں نے ترکی کی معیشت کو زمین سے آسمان پر پہنچا دیا، بے

روزگاری کا خاتمہ کیا، صنعتوں کو فروغ دیا، ترکی کی برآمدات میں بے پناہ اضافہ کیا، جس کی وجہ سے وہ ترکی کے مقبول ترین لیڈر بن گئے، بین الاقوامی طور پر بھی مختلف علاقوں اور خطوں میں ہونے والے مظالم کے خلاف پرزور طریقہ سے آواز اٹھائی، بلکہ ان مظالم کے سدباب کے لئے بھرپور اقدامات کئے، اسرائیل کی جانب سے غزہ کے فلسطینیوں کی معاشی ناکہ بندی کے خلاف صرف آواز ہی نہیں اٹھائی، بلکہ اس ناکہ بندی کو توڑنے کے لئے ترکی سے امدادی، غذائی اور طبی سامان سے لدا ہوا ایک جہاز غزہ کے لئے روانہ کیا، اسی طرح شام میں خانہ جنگی شروع ہونے کے بعد جب شامی پناہ گزیں لاکھوں کی تعداد میں ترکی پہنچے تو اردگان نے وہاں ان کا کھلے دل سے استقبال کیا، ان کے رہنے سہنے، کھانے پینے اور تمام ضروریات کا بھرپور انتظام کیا، فی الحال ۳۰؍لاکھ سے زائد شامی مہاجرین ترکی کی سرزمین میں پناہ لئے ہوئے ہیں، پھر میانمار میں جب وہاں کے فوجیوں اور راکھینی بدھسٹوں کی جانب سے روہنگیا مسلمانوں کا قتل عام کیا جانے لگا اور اس قتل عام سے بچنے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں روہنگیائی مسلمان کشتیوں کے ذریعہ میانمار سے بھاگنے لگے تو کوئی بھی پڑوسی ملک ان کو اپنے یہاں پناہ دینے کے لئے تیار نہیں تھا، نہ بنگلہ دیش، نہ ہندوستان، نہ تھائی لینڈ، نہ ملیشیا، ایسے موقع پر اردگان بنگلہ دیش پہنچے، وہاں سیاسی قائدین کا حوصلہ بڑھایا، میانمار کے روہنگیا مسلمانوں کے کھانے پینے کی کفالت کی ساری ذمہ داری اپنے سر لی اور بنگلہ دیشی حکومت کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کو رہنے کے لئے صرف جگہ مہیا کردے، چنانچہ دس لاکھ روہنگیا مسلمان آج بھی بنگلہ دیش کے کاکس بازار میں پناہ گزیں ہیں، جن کی خوراک کا انتظام ترکی حکومت کی جانب سے کیا جاتا ہے، ان کارناموں کی بدولت وہ موجودہ عالم اسلام کے عظیم قائد بن کر ابھرے۔

ان کارناموں اور ان کی مقبولیت کی وجہ سے اردگان امریکہ کے نشانہ پر آگئے، امریکہ کی جانب سے اردگان کو ہلاک کرنے یا ان کا تختہ پلٹنے کی سازش کی جانے لگی، اس کی خاطر فوجیوں میں پیسے تقسیم کئے گئے، ان کو اکسایا گیا اور ان کا حوصلہ بڑھایا گیا، چنانچہ فوج نے بغاوت کردی، وہ تو اللہ کو بچانا تھا کہ بروقت اردگان کو اس کا علم ہوگیا اور انہوں نے ٹوئیٹ کے ذریعہ عوام کو اس سازش سے آگاہ کردیا، لاکھوں کی تعداد میں عوام سڑکوں پر آگئے، پھر فوج کا مقابلہ کرکے پولیس اور عوام نے بغاوت کا راستہ روکا۔

جب فوجی بغاوت کروانے میں امریکہ ناکام ہوگیا تو اس نے اپنے جاسوس ترکی بھیجے تاکہ جاسوس کے ذریعہ اردگان کو ہلاک کرنے کے راستے تلاش کئے جاسکیں، چنانچہ ان کا جاسوس پادری کی شکل میں ترکی آیا، جو جاسوسی کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا اور اس پر مقدمہ چلایا گیا، امریکہ اس جاسوس کی

گرفتاری پر سخت چراغ پا ہوا اور ترکی کے انکار کرنے پر امریکہ نے ترکی کے دو وزیروں کے اثاثے منجمد کردیئے، اس کے جواب میں ترکی نے بھی امریکہ کے دو وزیروں کے اثاثے منجمد کردیئے، اب اس پر امریکہ کا پارہ اور چڑھا، اس نے ترکی سے امریکہ درآمد کی جانے والی دو چیزوں اسٹیل اور المونیم میں ٹیکس کا اضافہ کردیا، اس کے نتیجہ میں ترکی لیرا کی قیمت امریکی ڈالر کے مقابلہ میں کافی گھٹ گئی، یہ وہ اقتصادی حملہ ہے جو امریکہ نے ترکی پر کیا ہے، اس کے اثرات بڑے دوررس ہوسکتے ہیں، ترکی کی معیشت کمزور ہوسکتی ہے، امریکہ اس طرح کے اور حملے کرسکتا ہے تاکہ ترکی اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دے، اگر ترکی کی معیشت کمزور ہوئی تو عوام میں اردگان کی مقبولیت کا گراف کافی نیچے گرسکتا ہے، یہ وہ مقاصد ہیں جو امریکی حکمرانوں کے پیش نظر ہیں، سب سے بڑا مقصد اردگان کو اقتدار کی کرسی سے ہٹانا ہے، چاہے جس طرح بھی ہوسکے، امریکہ اور ترکی کے درمیان ٹکراؤ کا یہ سلسلہ دراز ہوسکتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ اردگان کس حکمت عملی کے ساتھ امریکہ کے حملہ کا جواب دیتے ہیں اور کس طرح اپنا اور اپنے ملک کا بچاؤ کرپاتے ہیں۔ امریکہ کا شکنجہ بہت سخت ہوتا ہے، جو ایک مرتبہ اس کے شکنجے میں آگیا اس کا نکلنا مشکل ہوتا ہے، بس وہی نکل پاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ بچانا چاہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہرطرح سے اردگان اور ترکی کی حفاظت فرمائے، اردگان کو اپنے ملک اور قوم وملت کی خدمت کا بھرپور موقع عطا فرمائے، دشمنوں کے شرور اور سازشوں سے ان کی پوری حفاظت فرمائے۔ آمین

❀ .... ❀ .... ❀

اہل قلم حضرات سے گزارش

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ جامعہ ہٰذا کے صدرالمدرسین واستاذ حدیث حضرت مولانا عبدالرشید بستوی صاحبؒ ۲۵/اکتوبر ۲۰۱۸ء کو دارِفانی سے رحلت فرماگئے۔ مرحوم گوناگوں اوصاف وکمالات کے حامل تھے۔ ان کی علمی خدمات کے پیش نظر ماہنامہ ''محدّثِ عصر'' ان کی شخصیت پر خصوصی شمارہ شائع کررہا ہے۔

آپ سے درخواست ہے کہ حضرت مرحوم پر اپنے تحقیقی مضامین ۱۵/دسمبر ۲۰۱۸ء تک درج ذیل ای میل پر ارسال فرمائیں:

ahmadanzarshah@gmail.com, fuzailahmadnasiri@gmail.com

ہاؤسنگ اسکیموں سے پلاٹ حاصل کرنا

مفتی محمد عبداللہ صاحب
رئیس دارالافتاء، جامعہ خیرالمدارس، ملتان

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں:
آج کل مختلف ناموں سے ہاؤسنگ اسکیمیں جاری ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ ان اسکیموں سے پلاٹ حاصل کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: ہاؤسنگ اسکیم میں پلاٹوں کی خریداری کے مختلف مراحل:

(۱) کسی علاقے میں ہاؤسنگ اسکیم کا پروگرام ہے، زمین کی خریداری ابھی عمل میں نہیں آئی، اس اسکیم کی تشہیری مہم ابھی سے شروع کردی اور لوگوں نے بکنگ کرانا شروع کرادی۔

(۲) زمین کی خریداری ہوچکی ہے، لیکن پلاننگ نہیں ہوئی، نہ کاغذات میں، نہ زمین پر تقسیم موجود ہے۔

(۳) کاغذات میں کالونی کا نقشہ موجود ہے، لیکن عملی طور پر وہاں کچھ بھی نہیں، جس کی وجہ سے پلاٹ کی تعیین ممکن نہیں۔

(۴) نقشہ بھی بن گیا اور عملی طور پر پلاننگ ہوچکی ہے، گلیاں، سڑکیں بھی بن گئی ہیں، ہر بلاک میں کنال، دس مرلہ، پانچ پانچ مرلہ پلاٹوں کی الگ الگ نشاندہی کردی گئی ہے، جس کی وجہ سے پلاٹ کی تعیین ممکن ہے۔

ان میں سے آخری صورت بلاشبہ درست ہے، پہلی تینوں صورتوں میں خریداری جائز نہیں، نمبر(۱) میں عدم ملکیت کی وجہ سے بیع جائز نہیں۔ چنانچہ عنایہ میں ہے:

ان حکیم بن حزام رضی اللّٰہ عنہ قال: یارسول اللّٰہ ان الرجل یطلب منی سلعةً

ليست عندی فابيعها منه ثم ادخل السوق فاستجيدها فاشتريها فاسلمها اليه فقال عليه الصلوة والسلام: "لاتبع ماليس عندك" (عنایہ علیٰ فتح القدیر، ج ۵،ص:۵۳۱، نمبر۲/اور نمبر۳ عدمِ تعیین یعنی مبیع کے مجہول ہونے کی بناپر جائز نہیں، چنانچہ شامیہ میں ہے)

قولهٗ : و شرط لصحتهٖ معرفة قدر مبيع و ثمن ككُرّ حنطة و خمسة دراهم او اكرار حنطة فخرج مالو كان المبيع مجهولاً ای : جهالةً ای: جهالةً فاحشةً فانهٗ لا يصح. (ج ۷،ص:۴۶)

و فيه ايضاً : قلت و وجه كون الموضع مجهولاً انه لم يبين انه من مقدم الدار او من مؤخرها، و جوانبها تتفاوت قيمةً فكان المعقود عليه مجهولاً جهالةً مفضيةً الی النزاع فيفسد كبيع بيتٍ من بيوت الدار كذا فی الكافی. (ہندیہ،ج ۳،ص:۱۰۹)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: **ومنها ای (من شرائط صحة البيع) ان يكون المبيع معلوماً والثمن معلوماً علماً يمنع المنازعة فبيع المجهول جهالةً تفضی اليها غير صحيح كبيع شأة من هذا القطيع و بيع شیء بقيمته.** (عالمگیریہ،ج ۳،ص:۳)

چوتھی صورت میں جب خریداری جائز ہے تو آگے فروخت کرنا بھی جائز ہے، خواہ قسطیں ادا ہو چکی ہیں یا ادا ہو رہی ہیں، کیوں کہ مشتری اوّل کی ملکیت محض ایجاب وقبول سے آچکی ہے، اگر چہ ایک پیسہ بھی ادا نہ ہوا ہو، بالخصوص زیر بحث صورت میں کہ اس میں قسطیں فی الحال واجب الاداء ہی نہیں، مشتری اول کا بیع کے لئے قبضہ ضروری نہیں، کیوں کہ مفتی بہ قول کے مطابق زمین کی بیع قبل القبض جائز ہے۔

چنانچہ ہندیہ میں ہے: **بيع العقار قبل القبض جائز عندهما و عليه الفتوی.**

(شامیہ، ج ۷، ص:۷۰)

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ

رئیس دارالافتاء

جامعہ خیر المدارس، ملتان

آغازِ سفر

سردار دو عالم نبی اکرم ﷺ

خصوصیات و امتیازات

سید حمدان شاہ مسعودی کشمیری

زیرِ نظر مضمون عزیزم سید حمدان شاہ مسعودی کشمیری سلمہٗ ابن حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری دام ظلہٗ ابن فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ مسعودی کشمیریؒ ابن امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے نونہال قلم سے ہے۔ ان کی یہ اولین قلمی کاوش نیک خواہشات اور دعاؤں کے ساتھ شریک اشاعت ہے۔(ادارہ)

یہ دنیا اور اس کا نظام کب سے چلا آ رہا ہے اللہ کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہیں۔ یہ وسیع وعریض دنیا چھوٹی بڑی بے شمار دنیاؤں پر مشتمل ہے اور سب اللہ تعالی کی قدرت کی گواہی دے رہی ہیں۔ ساری کائنات کی زبان پر ذکر اللہ جاری ہے۔ سارے عالم میں اللہ کا نظام چل رہا ہے۔ ہماری اس دنیا کا نظام کچھ الگ انداز سے چل رہا ہے۔ ہمارا رہنا سہنا، کھانا پینا، بود وباش سب سے الگ تھلگ ہے، کیوں کہ ہمیں صحت وتندرستی اور قد وقامت کے ساتھ عقل وشعور اور تمیز ودانش بھی دی گئی۔ فالحمدلله علیٰ ذالك.

آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں اللہ تعالی نے بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا، لیکن ان میں مشہور ومعروف مخلوق (۱) انسان (۲) جنات (۳) حیوانات اور (۴) فرشتے ہیں اور ان سب میں انسانوں کو اشرف المخلوقات قرار دیا۔ اس اعزاز واکرام کے بعد اللہ تعالی نے ہماری تربیت کے لئے رسولوں اور پیغمبروں کو بھیجا جو معبودِ حقیقی کا پیغام لے کر انسانوں کی ہدایت کے لیے آتے تھے۔ یہ وہ پیغامات تھے، جن میں زندگی بسر کرنے اور عبادات انجام دینے کے طور طریقے بتائے جاتے تھے۔ انسانی معاشرے کی اصلاح کے لئے صحیفے اور کتابیں بھی اتاریں۔ نبوت کا یہ سلسلہ ابوالبشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور انجام نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ سید الاولین والآخرین، خاتم النبیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے سلسلے میں یہ شعر آپ نے ضرور سنا ہوگا :

امام رُسل پیشوائے سبیل
امینِ خدا ، مہبطِ جبرئیل

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں کے سردار اور راستہ دکھانے والے ہیں۔ خداوند قدوس کے امین اور سید الملائکہ حضرت جبرئیل کے مرجع ہیں۔

چوں کہ ہمارے پیغمبر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہم ان کی امت میں ہیں، اس لیے ہمیں ان کی سیرت کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر ہمارا ایمان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات پر افضلیت حاصل ہے۔ آپ ؐ کا نام اور آپ کا دین آج تک زندہ ہے اور تا قیامت اس کا فیضان جاری رہے گا۔ اب کوئی نبی نہیں آنے والا۔ کوئی نیا مذہب اور کوئی نئی شریعت نہیں آنے والی۔ آپ نے تورات، انجیل اور دوسری تمام آسمانی کتابوں کو منسوخ کر دیا، اسی لیے آپ کی آمد سے قیصر و کسریٰ کا زور ٹوٹا۔ ان کی حکومتیں گئیں۔ شیخ سعدی اسی پس منظر میں کہتے ہیں :

چوں صیتش در افواہِ دنیا فتاد
تزلزل در ایوانِ کسریٰ فتاد

جب دنیا کی زبان پر آپ کا چرچا ہوا تو کسریٰ کے محل میں زلزلہ برپا ہو گیا۔

آپ ؐ نے صرف کتابیں ہی منسوخ نہیں کیں، بلکہ اسلام کو چھوڑ کر دیگر تمام مذاہب کو بھی کالعدم کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام بھی ہمارے دور میں زندہ ہوں تو ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ میری پیروی کریں۔

آپ ؐ خاتم النبیین ہیں۔ آپ نے اپنے ختم نبوت پر امت کی واضح رہنمائی بھی کی ۔ قیامت کی نشانیاں بھی بتلائیں، جو آہستہ آہستہ پوری ہوتی جا رہی ہیں۔ قیامت سے پہلے جتنے فتنے فساد ہوں گے ان سے بچنے کا حکم دیا۔

یوں تو تمام انبیا کو اللہ تعالی نے بہت سی خصوصیات سے سرفراز کیا، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے ممتاز مقامات عطا فرمائے۔ آپ کو خلقِ عظیم سے نوازا گیا، جس کا ذکر قرآن مجید فرقان حمید کی سورہ نون کی پانچویں آیت میں ہے: **انك لعلىٰ خلق عظيم** آپ نہایت بلند اخلاق کے حامل ہیں۔ آپ کی افضلیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب اسلام کا ابتدائی دور شروع ہوا تو جاہل دیہاتی مسجد

میں آتے اور صحن کا اندر پیشاب کر دیتے۔صحابہ کرام تنبیہ کرنے کے لیے دوڑتے تو آپ منع فرمادیتے اور شفقت کے ساتھ ان کے شانوں کو اپنے دست شفقت سے سہلاتے اور پیار سے سمجھاتے یقیناً آپ کے اخلاق کریمانہ فقید المثال تھے۔آپ کی افضیلت کا اندازہ اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ قرآن جیسی عظیم کتاب آپ پر نازل ہوئی اور لانے والے بھی سید الملائکہ حضرت جبرئیل امین ہیں۔ یہ فرشتوں کے ہجوم میں اترتے تا کہ شیاطین اس میں تصرف اور کمی وبیشی نہ کرسکیں، کیوں کہ یہ وہ کتاب ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا اگر ہم قرآن کو پہاڑوں پر اتارتے تو پہاڑوں کے پرخچے اڑ جاتے۔آپ علیہ السلام پر جب وحی نازل ہوتی تو اس کی شدّت بناء پر آپ کے سامنے بیک وقت کئی مسائل کھڑے ہوجاتے :ایک تو یہ کہ اسی حالت میں قرآن کا مفہوم سمجھنا، اس کو یاد کرنا اور اس کی صحیح ادائیگی وغیرہ، نیز آپ کو اس بات کا بھی خوف رہتا کہ جبریل چلے نہ جائیں۔

پیغمبر علیہ السلام شفقتِ مجسم تھے۔اپنی امت پر اتنے کریم وکرم گستر کہ جہاں بعض انبیاء کرام سے اپنی امتوں کے ظلم وتشدد اور انکار وکفر کی وجہ سے بددعائیں منقول ہیں، وہیں آپ علیہ السلام نے اپنی امت کی نافرمانیوں اور انتہا درجے کی بدسلوکیوں کے باوجود بددعا کے کلمات ادا نہیں کیے، بلکہ ان کی بدتمیزیوں کو درگزر کیا۔امت کی ہدایت کے لئے دعائیں کیں جو الحمدللہ قبول بھی ہوئیں۔آپ کی شفقت وشفاعت کی میدان حشر میں بھی ضرورت پیش آئے گی۔تمام مسلمان ان کی نظر کرم کے محتاج ہیں، کسی شاعر نے اسی بات کو کتنے دل پذیر پیرائے میں کہا ہے :

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

وہ لوگ جو اپنی نگاہوں سے مٹی کو کیمیا بنادیتے ہیں، کیا ایسا ممکن ہے کہ وہ ایک سرسری نظر ہم پر بھی ڈال دیں۔

اللہ عز وجل سے دعا ہے کہ ہمیں اس نعمت کی قدردانی کی توفیق بخشے اور اسوہ رسولؐ کے مطابق زندگی گزارنے کی سعادت عطا فرمائے۔

❀ .... ❀ .... ❀

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا فضیل احمد ناصری
استاذ حدیث ونائب ناظم تعلیمات جامعہ ہٰذا

دو ماہی امتحان کا انعقاد

طلبہ کی استعداد سازی اور کتب فہمی میں انہیں ممتاز کرنے کے لیے جامعہ میں دو ماہی امتحان کا انعقاد حسبِ روایت ہوتا رہتا ہے، چناں چہ رواں تعلیمی سال کا دوسرا ماہانہ امتحان بروز جمعرات ۸/صفر المظفر ۱۴۴۰ھ کو ہوا۔ بطور ممتحنین جامعہ کے اساتذہ ہی منتخب کئے گئے۔ یہ امتحان حسبِ سابق درجۂ فارسی، عربی اول، عربی دوم اور عربی سوم کی منتخب کتابوں کا ہوا۔ الحمد للہ ان طلبہ کا امتحان اچھا رہا، نتائج بھی خوشگوار رہے، حضرات ممتحنین نے اپنے اچھے تاثرات اور قیمتی مشوروں سے جامعہ کو نوازا۔ ہر جماعت کے ممتاز ترین طلبہ کے نام حسب ذیل ہیں :

اعدادیہ : اول پوزیشن: محمد حارث مظفرنگر، دوم پوزیشن: خبیب انور دیوبند، سوم پوزیشن: محمد ارشد میرٹھ

سالِ اول : اول پوزیشن: مہران ذاکر اتر دیناج پور، دوم پوزیشن: نوشا خان مدھیہ پردیش، سوم پوزیشن: توقیر عالم سپول۔

سالِ دوم :اول پوزیشن: محمد شعبان لکھنؤ، دوم پوزیشن: محمد افضال لکھنؤ، سوم پوزیشن: دانش باغپت۔

سالِ سوم :اول پوزیشن: محمد اسعد انصاری گریڈیہہ، دوم پوزیشن: عبدالرحمٰن مہراج گنج، سوم پوزیشن: عبدالرؤف ہریدوار۔

سالانہ ششماہی امتحان کا اعلان

جامعہ میں سال میں جو بڑے امتحانات ہوتے ہیں ان میں ششماہی امتحان بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

سالانہ امتحان کی طرح اس امتحان پر بھی طلبہ کی بعض سہولیات موقوف رہتی ہیں۔طلبہ کی امداد سے متعلق فیصلے میں اس کے نتائج کا بڑا دخل ہے۔ جوطلبہ مطلوبہ اوسط سے کم نمبر ہیں لاتے ہیں ان کے لیے طعام کی امداد بند ہو جاتی ہے اور مطلوبہ یا اس سے زیادہ اوسط حاصل کرنے پر غیر امدادی طلبہ کی امداد جاری کر دی جاتی ہے۔ جامعہ کا آئندہ ششماہی امتحان ان شاء اللہ العزیز ۲۵ رنومبر سے ۲۹ رنومبر تک ہوگا۔ خیال رہے کہ جامعہ کے بڑے امتحانات بیرونی ممتحنین ہی کے ذریعے منعقد کیے جاتے ہیں۔ یہ ممتحنین دارالعلوم دیوبند، وقف دارالعلوم دیوبند، اسی طرح اطراف و اکناف کے مدارس کے معتبر اساتذہ ہوتے ہیں۔ جامعہ حضرات ممتحنین کے تاثرات اور مفید مشوروں کو روبہ عمل لاتا ہے اور ان کی روشنی میں تعلیمی ترقیات کے لیے کوشاں رہتا ہے۔

تعطیل ششماہی کا اعلان

پچھلے سال کی طرح ہی امسال بھی ششماہی امتحان کی ترتیب رکھی گئی ہے۔ یعنی ایک کتاب کو چھوڑ کر ساری کتابوں کا امتحان ایک ساتھ لیا جائے، جب کہ ایک کتاب روک لی جائے، چناں چہ تعلیمات سے جاری اعلامیہ کے مطابق ایک کتاب کا امتحان تعطیلِ امتحان ششماہی کے اختتام کے بعد ہوگا۔ اعلامیہ کے مطابق ۳۰ رنومبر سے ۱۱ ردسمبر تک تعطیل عام رہے گی۔ ۱۱ر دسمبر کی شام تک طلبہ کا حاضر ہونا لازمی ہوگا۔ ۱۳ رویں دسمبر کو مابقیہ کتب کا امتحان ہوگا۔ سالِ گزشتہ سے ہی اس کے لئے یہ ضابطہ بھی رکھا گیا ہے کہ جو طلبہ اس کتاب کے امتحان میں وقتِ مقررہ پر شریک نہ ہو سکے ان کا داخلہ منسوخ کر دیا جائے گا اور ان کا کوئی بھی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ چنانچہ اسی ضابطے کے پیشِ نظر پچھلے سال ۲۴ رطلبہ کا اخراج ہوا تھا۔ یہ ضابطہ اور اعلان طلبہ میں کر دیا گیا ہے اور انہیں نصیحت کر دی گئی ہے۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ طلبہ اپنے مستقبل کو پیش نظر رکھ کر سستی اور کوتاہی سے خود کو بچائیں گے۔

تربیتی نشست کا انعقاد

پچھلے مہینے طلبہ کی تعلیمی اور تربیتی بہتری کے لیے ماہانہ تربیتی نشست کا انعقاد کیا گیا، جس سے احقر فضیل احمد ناصری نے خطاب کیا۔ احقر نے طلبہ کو ان کی ذمہ داری اور فرض منصبی کا احساس دلایا اور کہا کہ آپ خالص پڑھنے اور تربیت پانے کے لئے اپنے وطن سے یہاں تشریف لائے ہیں، آپ پر لازم ہے کہ لایعنیات اور فضولیات سے اپنے آپ کو بچائیں۔ راقم الحروف نے مضر امور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

کہا کہ طلبہ کے لئے کئی چیزیں نقصان دہ ہیں، جن میں درسگاہوں کی غیر حاضری سب سے بڑا نقصان ہے، کیوں کہ اساتذہ کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ طلبہ کے لئے انمول ہوتا ہے اور اس زمانے کی باتیں آئندہ زمانے میں بہت کام آتی ہیں، اس لیے جو طلبہ درسگاہوں کے زیادہ پابند اور اساتذہ کے اسباق کے زیادہ حاضر باش ہوتے ہیں، ان کی صلاحیتیں بڑی پختہ، پائیدار اور نہایت کارآمد ہوتی ہیں۔ اللہ تعالی بیش تر ایسے ہی بندوں سے دین کے کام لیتے ہیں اور دنیا میں انہیں عزت سے نوازتے ہیں، لیکن جو طلبہ تساہل، لاابالی پن اور اور غیر ذمے داری سے کام لیتے ہیں ان کے لیے منزل یا بی خواب بن کر رہ جاتی ہے، پھر تلافی مافات کے لئے کوششیں عموماً ان سودمند نہیں ہوتیں، لہٰذا آپ کی ہر ممکن جدوجہد ہونی چاہیے کہ وقت سے پہلے درس گاہوں میں پہنچیں۔ خاکسار نے اساتذہ اور طلبہ کو تمثیل میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ اساتذہ کی مثال ٹرین کی سی ہے اور طلبہ کی مثال مسافر کی سی۔ ٹرینیں وقت سے پہلے بھی آتی ہیں، کبھی وقت پر آتی ہیں، کبھی لیٹ ہو جاتی ہیں اور کبھی رد ہو جاتی ہیں، لیکن مسافر ہر حال میں ٹرین کے معیاری وقت سے ہی اسٹیشن پر پہنچ جاتا ہے، اسی طرح اساتذہ درس گاہوں میں وقت پر بھی پہنچ سکتے ہیں، وقت سے پہلے بھی، بصورتِ عذر تاخیر سے بھی، اور نہیں بھی آسکتے ہیں، مگر طلبہ وہ ہر حال میں درسگاہ قبل از وقت پہنچیں۔ اسی میں ان کے لئے عافیت اور راحت کا سامان پوشیدہ ہے۔ کاتب السطور نے یہ بھی کہا کہ طلبہ کے لیے دوسری سب سے بڑی نقصان دہ چیز موبائل ہے، جو طلبہ موبائل کے زبردست عشق اور غیر ضروری استعمال میں مبتلا ہیں ان کے لیے طالب علمی کا سفر انتہائی دشوار گزار اور خاردار ہے، کیوں کہ عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ موبائل سادہ ہو یا جدید ترقیات سے لبریز، جب طلبہ کے ہاتھ میں پڑ جاتے ہیں تو ان کا مناسب استعمال نہیں پاتا، بلکہ فضولیات اور لغویات میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اور خود کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ تیسرا سب سے بڑا نقصان طلبہ کے لئے جو چیز پیدا کرتی ہے وہ ترکِ نماز ہے۔ جو طلبہ نماز کے عادی اور نیکیوں کے خوگر ہیں، علم ان کے لیے ''آہن بدستِ داؤدؑ'' ہو جاتا ہے، لیکن جو طلبہ ان معاملات میں کوتاہ ہوتے ہیں ان کے لئے نیک جذبات کا شباب پر رکھنا مشکل ہے، لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ اپنی بہتری کے لیے اساتذہ کی ہدایات پر چلیں۔

جامعہ کے عقبی جانب فائبر کی چادر

جامعہ ہٰذا کی سب سے بڑی عمارت دارالحدیث انور ہال کے عقبی حصے میں رہائشی مکانات واقع ہیں، جن میں سے بعض کے صحن جامعہ کی پہلی منزل سے دکھائی دیتے ہیں، ان سے اہلِ خانہ کے لیے مسائل کا امکان تھا،

اسی کو سامنے رکھتے ہوئے رئیس الجامعہ حضرت شاہ صاحب دام ظلہ کی ہدایت پر پہلی منزل کی عقبی جانب کے تمام حصوں کو سبز فائبر کی موٹی خوبصورت چادر سے گھیر لیا گیا ہے تا کہ کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔اس چادر کی تنصیب کے بعد جہاں پردے کا حصول یقینی ہوا، وہیں عمارت کی خوبصورتی میں بھی مزید چار چاند لگ گئے

گلشن آرائی

جامعہ میں جہاں طلبہ کی تعلیم وتربیت پر خصوصی بلکہ مرکزی توجہ دی جاتی ہے وہیں ان کے لئے فضائی بہتری پر بھی محنت صرف ہوتی ہے۔چمن بندی کا یہ شعبہ بھی اسی مقصد کے تحت قائم ہے۔اس کے لیے باقاعدہ ایک مالی مقرر ہے، جو چمن کی آرائش وزیبائش اور اس کی تہذیب وتنقیح پر اپنی توجہ مبذول رکھتا ہے۔الحمدللہ جامعہ اپنی ظاہری باطنی دونوں خوبیوں کا ایک خوب صورت مرقع معلوم ہوتا ہے۔پچھلے دنوں بابِ معظم شاہ سے چند قدم کے فاصلے پر، جہاں آم کے درخت واقع ہیں، وہیں سے دارالحدیث تک جانے والی دونوں کیاریوں کی تعمیر شروع کی گئی، جو الحمدللہ بحسن وخوبی مکمل بھی ہو چکی ہے۔پودوں کو پانی پہنچانے اور انہیں تازگی بخشنے کے لیے سرخ قیمتی پتھر لگائے گئے ہیں، جن سے جامعہ کا حسن اور دوبالا ہو گیا ہے۔

حضرت رئیس الجامعہ مدظلہ کا سفرِ گجرات

گجرات کی مشہور دینی درس گاہ دارالعلوم فلاحِ دارین، ترکیسر کی دعوت پر رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ کشمیری دام ظلہ گجرات کے سفر پر تشریف لے گئے، جہاں گجرات کے نمایاں عالم دین، مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر منعقدہ دوروزہ سیمینار میں شرکت فرمائی۔اس سیمینار میں ملک کے طول وعرض سے کم وبیش ۲۰۰؍علماء تشریف فرما تھے، جنہوں نے اپنے مقالات کے ذریعے مفکر ملت حضرت کاپودرویؒ کو خراج عقیدت پیش کیا۔حضرت رئیس الجامعہ مدظلہ نے بھی مقالہ لکھ کر مرحوم کی حیات وخدمات پر مبسوط روشنی ڈالی اور انہیں خراج تحسین پیش کیا۔

حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ اور جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کے خوشہ چینوں میں تھے۔بعد میں انہوں نے دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر کا اہتمام سنبھالا اور اس کو شہرت کے بام عروج پر پہنچا دیا۔مولانا کی وفات رواں سال ۱۰؍جولائی ۲۰۱۸ء میں ہوئی۔اس موقع پر حضرت رئیس الجامعہ مدظلہ نے گراں قدر خطاب بھی فرمایا اور اٹھارہویں اکتوبر کو جامعہ بخیر وخوبی تشریف لے آئے۔

جامعہ کے استاذِ حدیث محترم جناب مولانا عبدالرشید بستوی صاحب (جو اَب مرحوم ہو چکے) بھی شریک رہے۔انہوں نے بھی مقالہ لکھ کر گجرات کے اس عظیم سپوت خراج تحسین پیش کیا۔

مولانا ذکی انجم صدیقی صاحب کی والدہ کا انتقال

جامعہ کے قدیم رکن جناب مولانا ذکی انجم صدیقی صاحب کی والدہ ماجدہ کا ۲۰/اکتوبر۲۰۱۸ء کو انتقال ہو گیا۔مرحومہ صوم وصلوٰۃ کی پابند اور دین دار خاتون تھیں۔صرف دو تین روز کی بیماری میں دار فانی کو خیر باد کہہ گئیں۔جامعہ میں ان کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔

حضرت مولانا عمار صاحب الٰہ آبادی کے لئے دعائے مغفرت

ملک کی ممتاز شخصیت حضرت مولانا عمار صاحب الہ آبادی کا بھی طویل علالت کے بعد ۱۹/اکتوبر کو انتقال ہوا،انا للہ وانا الیہ راجعون۔مولانا مرحوم مدرسہ افضل المعارف الہ آباد کے مہتمم تھے۔یہ مدرسہ اپنے حلقے میں مستند اداروں میں سمجھا جاتا ہے۔مولانا مرحوم زہد وتقوی اور سادگی کا پیکر تھے اور انہیں جنید زمانہ حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔وفات کی خبر سن کر جامعہ میں ایصال ثواب کیا گیا اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی گئی۔جامعہ کے استاد حدیث مولانا صغیر احمد پرتاپ گڑھی نے ان کی حیاتِ طیبہ پر مختصر روشنی ڈالی۔اللہ تعالی بلند درجات سے نوازے۔

استاذِ حدیث حضرت مولانا عبدالرشید بستوی کی رحلت

بتاریخ ۲۵/اکتوبر بوقت ۷/بجے شام معروف عالم دین اور مشہور صاحب قلم مولانا عبدالرشید صاحب بستوی کے اچانک انتقال کی خبر سے علمی حلقہ سوگ وار ہو گیا،خبر عام ہوتے ہی جامعہ سمیت دیوبند کے علمی حلقوں میں رنج وغم کی لہر دوڑ گئی،مرحوم شوگر کے مریض اور جگر کے عارضہ میں مبتلا تھے،صبح چار بجے اچانک سانس لینے میں دقت ہوئی،مقامی ڈاکٹر سے رجوع کے بعد حالت قدرے بحال ہوگئی،لیکن دوپہر میں طبیعت پھر سے بگڑی اور بگڑتی چلی گئی،شام چار بجے نبض تیز ہوگئی اور میرٹھ جاتے ہوئے انہوں نے راستے میں آخری سانس لی،انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حادثے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور مرحوم کے گھر زائرین کا تانتا لگ گیا،دارالعلوم دیوبند،دارالعلوم وقف دیوبند اور اطراف و جوانب سے علماء وطلبہ اُمڈ پڑے۔دارالعلوم دیوبند کے مہتمم

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دام مجدہم نے اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ مولانا عبدالرشید صاحب کی ناگہانی موت سے پورا علمی حلقہ سوگوار ہے۔ مجھے بہت سخت صدمہ پہونچا ہے۔ وہ ایک قابل اور فائق ادیب اور بہترین استاذ تھے۔ دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب نے کہا کہ مرحوم ایک مخلص اور وفا شعار آدمی تھے، علمی وادبی میدان کے بہترین شہسوار تھے۔ انہوں نے وقف کے لئے بھی کافی خدمات انجام دی ہیں۔ بحرالعلوم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ ان کی ناگہانی وفات سے میں سخت متاثر ہوا، بوڑھے موجود ہیں اور بچے جارہے ہیں۔ ہمارے درمیان سے ایک لائق وفائق عالم دین اٹھ گیا۔ دارالعلوم دیوبند کے استاذ عربی وادیب حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب نے رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ کشمیری مدظلہٗ سے تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کا حادثہ وفات بڑا اندوہناک ہے، ان کی وفات سے آپ کا دایاں ہاتھ کٹ گیا، وہ لکھنے پڑھنے کے خوگر تھے، مجھے ان کے علم و ادب پر کامل اعتماد تھا۔ صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب کی جانب سے ان کے صاحبزادے مفتی امجد مدنی اور مولانا ازہر مدنی صاحبان نے مرحوم کے مکان پر پہونچ کر تعزیت مسنونہ پیش کی۔ رئیس الجامعہ حضرت شاہ صاحب مدظلہٗ نے اس رحلت کو عظیم سانحہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہم نے جامعہ کا ایک اہم ستون کھودیا۔ والدگرامی قدر فخر المحدثین حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ ان پر بڑا اعتماد کرتے تھے اور ان سے بہت سارے علمی کام لیتے تھے۔ یقین ہے کہ ان کے علمی کارنامے ان کے لئے بہترین صدقہ جاریہ ہوں گے۔ معروف ادیب حضرت مولانا نسیم اختر شاہ قیصر صاحب مدظلہٗ نے تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ مولانا مرحوم سے میرا گہرا رشتہ تھا، ان کا علمی مقام اپنی جگہ۔ وہ بہت دوست مزاج، وفا شعار اور بذلہ سنج آدمی تھے، ان کے ساتھ بتایا ہوا ہر پل ہمیشہ یاد رہے گا۔ اس کے علاوہ مولانا کے ہم درس مفتی عبداللہ معروفی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے بھی اظہار تعزیت کیا۔ نیز مولانا عارف جمیل مبارکپوری، مولانا افضل حسین سدھارتھ نگری، مولانا مصلح الدین سدھارتھ نگری، مولانا فہیم الدین بجنوری، مولانا مزمل بدایونی، مولانا اشرف عباس قاسمی، مولانا عمران اللہ قاسمی سمیت دیگر اساتذہ دارالعلوم دیوبند اور مفتی عفان منصورپوری سمیت اساتذۂ دارالعلوم وقف اور جامعہ ہٰذا نے مرحوم کے انتقال کو ایک عظیم خلاء قرار دیا۔ مولانا مرحوم کا تعلق بستی سے تھا، انہوں نے مدرسہ شاہی مرآداباد کے بعد ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت پائی، وہ شیخ الادب حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی سابق معاون مہتمم دارالعلوم دیوبند کے خاص شاگردوں میں تھے۔ مولانا کے پسماندگان میں تین لڑکے اور تین لڑکیوں

سمیت والد شامل ہیں۔نماز جنازہ بعد نماز جمعہ پونے دو بجے احاطہ مولسری میں ادا کی گئی۔شہر کے سرکردہ افراد اور سماجی کارکنان کے علاوہ دیوبند سے مرآدابادتک کے سینکڑوں علماء سمیت ہزاروں کی تعداد میں لوگ شریک ہوئے اور قبرستان انوری میں انہیں سپرد خاک کیا گیا۔

مولانا بستویؒ کی وفات پر جامعہ میں تعزیتی اجلاس

وفات کے تیسرے دن بروز ہفتہ بوقت صبح نو بجے جامعہ میں حضرت مولانا عبدالرشید بستوی کی ناگہانی رحلت پر تعزیتی اجلاس کا انعقاد ہوا، جس کی صدارت رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ کشمیری مدظلہ، جب کہ نظامت احقر فضیل احمد ناصری نے کی۔اس موقع پر احقر کا تیار کردہ مرثیہ بھی پڑھا گیا۔صدرِ اجلاس رئیس الجامعہ حضرت شاہ صاحب مدظلہ نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ مولانا مرحوم کی اچانک رحلت ہم سب کے لئے ایک عظیم حادثہ ہے۔ میں نے اپنا ایک اہم اور مخلص رفیق کھو دیا ہے۔مرحوم بستوی امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے عاشقِ زار اور ان کے علوم کے شیدائی تھے۔انہیں علوم انوری سے خصوصی مناسبت تھی۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ علوم انوری سے مناسبت کا پیدا ہو جانا ہر کس و ناکس کا نصیب نہیں۔مولانا نے حضرت کشمیریؒ کی سوانح حیات بھی لکھی، اس کے علاوہ خاتم النبیین کا فارسی سے عربی ترجمہ کیا۔میرے والدِ مرحوم فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ کو ان پر بڑا اعتماد تھا اور ایک سال کے بعد ہی انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ مولانا ترجمہ وتحقیق کے خصوصی آدمی ہیں، ان سے اس لائن کی خدمت لیتے رہنا۔حضرت مدظلہٗ نے مزید فرمایا کہ مولانا بستوی اپنے علمی مزاج و مذاق کے علاوہ معاشرتی زندگی میں بھی نمونے کے انسان تھے۔ کبھی کسی بات کا برا نہیں مانتے اور مخاطب کی بات کا خندہ پیشانی سے جواب دیتے۔مولانا کے عروج کا دور اب شروع ہی ہوا تھا کہ موت نے انہیں اپنا شکار کرلیا۔احقر نے اپنی نظامتِ اجلاس کے دوران کہا کہ مولانا مرحوم کا جانا بڑا اندوہ ناک اور الم انگیز ہے۔ جامعہ میں ان کی حیثیت استاذ الاساتذہ کی تھی، ان کا وجود ہمارے لیے نعمتِ عظمیٰ تھا۔ وہ علم و ادب کے باب میں تحریک کی حیثیت رکھتے تھے۔ان کی حیات کے نقوش تادیر تابندہ رہیں گے۔جامعہ کے استاد حدیث وافتا محترم جناب مولانا مفتی نثار خالد دیناجپوری نے کہا مولانا بستوی مرحوم اپنے آپ میں ایک مثالی شخصیت تھے، انہوں نے جامعہ کو نئی جہت بخشی، مولانا مرحوم اپنے اصولوں سے جینے کے عادی تھے اور اپنے نظریات کسی پر تھوپنا ان کا کا مزاج نہیں تھا۔مولانا مرحوم کتابی آدمی تھے اور علم وتحقیق ان کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا۔جامعہ کے دوسرے استاد حدیث محترم جناب مولانا شیث احمد صاحب مظاہری نے کہا کہ مولانا مرحوم کے اچانک حادثۂ وفات سے میں بہت زیادہ متاثر ہوں، ان کی علمی خصوصیات وامتیازات

بہت ہیں، انہیں بیان کرنے کے لئے تفصیلی وقت چاہیے۔ وہ ہمہ جہت صلاحیت اور قدرتی علم وفہم کے مالک تھے۔ اللہ انہیں غریق رحمت فرمائے۔ استاد حدیث وافتا محترم جناب مولانا مفتی وصی احمد قاسمی بستوی نے اپنی تقریر میں کہا کہ مولانا مرحوم میں تواضع اور اپنے شاگردوں سے محبت بے پناہ تھی، وہ اپنے تلامذہ سے بہت گھل مل کر رہتے تھے۔ تحقیق وتالیف اور تدریس وتقریر، اسی طرح تمام علمی میدانوں میں انفرادی شان کے حامل تھے۔ ان میں تدریس کا بہت زبردست ملکہ تھا۔ عربی زبان وادب میں ان جیسے لوگ ملک میں برائے نام ہی ہیں۔ جامعہ کے استاد حدیث محترم جناب مولانا صغیر احمد پرتاپ گڑھی نے اپنے بیان میں کہا مولانا مرحوم کے ساتھ ہماری قدیم رفاقت رہی۔ کم وبیش بیس سال ان کے ساتھ گزرے۔ مرحوم اگرچہ میرے ضابطہ کے استاذ نہیں تھے، مگر ان سے موقع بہ موقع استفادے کا سلسلہ قائم تھا، اسی لیے میں ان کو اپنا استاد مانتا ہوں۔ وہ میرے لیے نہایت قابل احترام شخصیت تھے۔ آج ان کی جدائی پر دل ماتم کناں ہے۔ مولانا کے جنازے میں اٹڈی بھیڑ عنداللہ وعندالناس ان کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ مفتی انوار بستوی صدر اسلامک ریسرچ اینڈ ایجوکیشن ٹرسٹ دیوبند نے اپنی تقریر میں کہا مولانا مرحوم خالص علمی لائن کے آدمی تھے اور انہوں نے اپنی پوری زندگی مطالعہ تحقیق، تصنیف وتالیف اور تعلیق وحواشی میں گزاردی۔ مولانا کو علوم انوری سے بڑا لگاؤ تھا، چناں چہ انہوں نے علامہ کشمیریؒ کی کئی تصنیفات پر کام کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کم عمری میں ہی اپنی شناخت بنائی اور تلامذہ کے علاوہ کم وبیش بیس کتابیں یادگار چھوڑیں۔ اجلاس سے قبل قرآن خوانی ہوئی، اس موقع پر اساتذۂ جامعہ سمیت مولانا مرحوم کے والدِ گرامی، ان کے صاحبزادگان: مولوی عبداللہ قاسمی، مولوی عبدالسلام، عزیزم عبدالصمد، سلمہم، نیز وطنِ اصلی سے تشریف لائے ہوئے اعزہ واقارب ودیگر متعلقین موجود تھے۔

واردین وصادرین

جامعہ میں مہمانان گرامی قدر کی آمد ورفت کا سلسلہ لگاتار جاری رہتا ہے۔ الحمدللہ ملک وبیرون ملک سے جامعہ کی زیارت کو حضرات علماء اور جیدار باب علم وفضل تشریف لاتے رہتے ہیں۔ پچھلے دنوں جامعہ میں جو اہم علماء کرام تشریف لائے ان میں حضرت مولانا شفاعت حسین صاحب قاسمی (ویسٹ انڈیز) خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا قاسمی فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ انہوں نے جامعہ کی تعلیمی وتعمیری اور ظاہری باطنی خوبیوں پر کا معائنہ کیا اور اس کی ترقیات سے خوشی کا اظہار کیا اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس کی مزید ترقیات کے لیے خصوصی دعائیں دیں۔

❁ .... ❁ .... ❁

تازہ بہ تازہ (۱)

شمعِ امید جلا، انجمن آرائی کر

فضیل احمد ناصری

پہلے تو مالک و مختار سے تنہائی کر
بعد ازاں قوم کو اللہ کا سودائی کر
حسن خود آئے گا اے قیس قدم بوسی کو
عشق پر سان چڑھا، لالۂ صحرائی کر
ہر گھڑی آئنہ بینی ترے شایاں تو نہیں
جانِ یعقوب ہے تو، تو نہ زلیخائی کر
ہے اسی میں ترے ایماں کا تحفظ اے دل
اپنے معبود سے مضبوط شناسائی کر
خلوت و ظلمتِ شب کا بھی مداوا تو ہے
شمعِ امید جلا، انجمن آرائی کر
چاہئے نور تو قرآں کو نگاہوں سے لگا
تیز تر آج ہی پھر قوتِ بینائی کر
تاکہ ہر فرد میں خدمات کا جذبہ ابھرے
اپنے خُردوں کی ذرا تو بھی پذیرائی کر
آستیں کھول، دکھا دے یدِ بیضاء سب کو
اپنے انداز کو پھر شعلۂ سینائی کر
چھوڑ دے مجھ کو مرے حال پہ، لڑنے دے مجھے
تو قلم کار ہے جا، قافیہ پیمائی کر